شہادت

17 سال بعد

محمد صلاح الدین کی شہادت

کے پس پردہ حقائق

غیر جانبدارانہ تحقیق

PART 1

تحریر: ملکہ افروز روہیلہ

سابق رکن شعبہ تحقیق و تصنیف

ہفت روزہ تکبیر کراچی

www.araafpublisher.com

بسم الله الرحمن الرحيم

انتساب!
خاموش تماشائیوں کے نام

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام کتاب ---------------- شہادت

تحریر ---------------- ملکہ افروز روہیلہ

سن اشاعت ---------------- 2011

تعداد ---------------- 1000 ہزار

قیمت ---------------- 100 روپے

اعراف پبلشرز کراچی

www.araafpublisher.com

E-mail araaf2010@hotmail.com

cell 0301-2449958.0322-2627514

☆ خاندانی پس منظر ☆ نعیم عارفی سے محمد صلاح الدین کی پہلی ملاقات ۱۹۵۸ء میں اردو کالج میں ہوئی ☆ جسارت کے منتظم
اعلیٰ محمود اعظم فاروقی سے کشمکش، محاذ آرائی ☆ جماعت اسلامی سے اختلاف کی کہانی؟ ☆ جسارت سے علیحدگی کی وجوہات
؟ ☆ سید محمد علی (ایم کیو ایم کے عظیم احمد طارق مرحوم کے حقیقی ماموں) اور محمد صلاح الدین نے ایک مشترکہ فرم تکبیر کے نام سے قائم
کی ☆ محمد صلاح الدین اور نصیر سلیمی کے درمیان اختلافات کی کہانی ☆ رفیق افغان کا خاندان؟ ☆ رفیق افغان کا زمانہ طالب
علمی؟ راوی قیصر خان شپ اونرز کالج ناظم اسلامی جمعیت طلبہ ☆ محمد صلاح الدین کی جہاد افغانستان میں شرکت اور رفیق افغان سے
ملاقات ☆ موبائل فون اور پیجر رفیق افغان کی دلپسند چیزیں ☆ بدھ ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء رفیق افغان اور سعدیہ انجم رشتہ ازدواج میں
بندھ گئے ☆ شادی کے فوری بعد رفیق افغان کے اعتراض پر تکبیر سے سعدیہ انجم کا نام شعبہ ادارت سے خارج ☆ ۱۵ اگست ۹۰ء کو
رفیق افغان کے والد حمید افغان ۶۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئے ☆ محمد صلاح الدین نے ثروت جمال اصمعی کے ساتھ مل کر تکبیر
کے شعبہ تحقیق و تصنیف کی بنیاد رکھی ☆ ۹۰ء کے آخر میں رفیق افغان سعدیہ انجم کے ہمراہ اسلام آباد سے کراچی مستقل طور پر شفٹ
☆ ”پاکستان جیت گیا امریکہ ہار گیا“ ☆ ۴ دسمبر ۹۰ء کی شب رفیق افغان کے گھر نقب زنی ☆ ”سندھ کی ابتر صورتحال“ ۸ ستمبر
۹۱ء الطاف حسین کا عمرہ ☆ جمعہ ۲۲ مارچ ۹۱ء کی صبح سویرے ہفت روزہ تکبیر کے دفتر واقع نامکو سنٹر میں مسلح افراد نے آگ
لگادی ☆ پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ کا اداریہ بعنوان ”الطاف حسین اور ان کے عقیدت مند اللہ سے معافی مانگیں!“

☆مدیرِ اعلیٰ تکبیر کا گھر شعلوں کی نذر ☆سندھ میں آپریشن کلین اپ ☆ہفت روزہ تکبیر کو وزیرِ اعظم محمد نواز شریف کا پانچ لاکھ کی رقم کا چیک ☆ کیا جہادِ افغانستان پر کتاب شائع ہوئی؟ ☆لائنز ایریا میں حقیقی کا معروف رہنما منصور چاچا ☆وزیرِ اعظم نواز شریف کی جانب سے سانحہ بہاولپور کی تحقیقات ☆رفیق افغان کی گاڑی ڈرائیور سے چھین کر فرار؟ ☆مسلم ایڈ نے افغان جہاد کے نام پر کروڑوں روپے کا فنڈ حاصل کیا ☆زید زمان نمائندہ خصوصی مسلم ایڈ ☆''ہم تکبیر کو کراچی میں کہیں فروخت نہیں ہونے دیں گے'' الطاف حسین ☆پی ای سی ایچ ایس میں بنگلے کی تعمیر شروع تعمیر کا ٹھیکہ رفیق نے اپنے بہنوئی عارف کو دیا۔ ☆کراچی فوجی آپریشن 1992 ☆پکا قلعہ آپریشن الطاف حسین کی سازش سے ہوا؟ ☆کیا تکبیر میں شاہد حسین نامی لڑکے کا تعلق ایم کیو ایم سے تھا؟ ☆۹۳ء کے انتخابات کے نتائج نے محمد صلاح الدین کے تمام صحافتی اندیشوں کو سچ ثابت کردیا ☆امت پرنٹنگ پریس کا افتتاح ☆امت پریس اکاؤنٹ صرف محمد صلاح الدین اور ثروت جمال اصمعی کے دستخط سے آپریٹ ☆تکبیر میں رفیق افغان کا پہلا اختلاف کس سے؟ ☆ایک سے زائد شادیاں محمد صلاح الدین کا نقطہ نظر ☆دی فرینڈز کے سیمینار میں شرکت محمد صلاح الدین ☆اسلامی فرنٹ پر اعتراضات ☆سیاست و معاشرت میں ایجنسیوں کے حوالے سے شہرت یافتہ نصرت مرزا ☆چیئرمین پاکستان مہاجر رابطہ کونسل ☆۱۹۹۳ء کے انتخابات، بینظیر کی کامیابی امریکہ کی کامیابی، ☆بے نظیر اور الطاف حسین حلیف ☆لاشوں کا شہر کراچی ☆تکبیر کی خاتون رپورٹرز ملکہ افروز روہیلہ، ثریا نو اور سعدیہ رفیق نے لائنز ایریا کا سروے کیا

☆ ۱۵ اکتوبر ۹۴ء کو محمد صلاح الدین نے اپنی تحریر میں ایک سرکلر جاری کیا ☆ محمد صلاح الدین شہید کا فروری ۱۹۸۶ ایک خواب؟ ☆ چند باتوں پر سُسر اور داماد کے درمیان اختلافات ☆ تکبیر کے ٹائٹل پر رفیق افغان کی تصویر ☆ فسادات کراچی سے فساد کراچی تک۔ ☆ محمد صلاح الدین کا آخری کنونشن۔ ☆ امن ریلی، آدم خور وزیر اعلیٰ ☆ محمد صلاح الدین کی پاک افواج پر تنقید ☆ پاکستان برائے فروخت ☆ جنگ امن ریلی ۳ دسمبر ۱۹۹۴ء ☆ ملکہ کو خیال آیا کہ سعدیہ انجم کے لیے پھولوں کا تحفہ انکل صلاح الدین کے ذریعہ بھجوادیں۔ ☆ ''کراچی میں لاشوں کی سیاست'' محمد صلاح الدین کا آخری تجزیہ ☆ ''میں تو جارہا ہوں، آپ کب تک رکیں گے؟'' محمد صلاح الدین کی پیشہ ورانہ زندگی کے آخری الفاظ ☆ گولیوں کی تڑتڑاہٹ محمد صلاح الدین کی شہادت ☆ شہادت (شہید کراچی) ☆ ڈرائیور امجد کا بیان فائرنگ کرنے والا طویل قد کسرتی جسم کا پھرتیلا آدمی تھا ☆ محمد صلاح الدین کا قتل اور عبدالستار ایدھی کا ملک سے فرار ☆ محمد صلاح الدین اور حکیم محمد سعید کی تنظیم الاتحاد پہلا اجتماع ۲۵ دسمبر ۹۴ء کو الحمراء میں ہونا تھا ☆ ملکہ افروز روہیلہ کو محمد صلاح الدین کی شہادت کے بعد ذاتی لیٹر ہیڈ کے صفحات سے کیا تحریر ملی؟ ☆ محمد صلاح الدین کی تقسیم وراثت کی صورت کیا ہوگی؟ ☆ رفیق افغان نے وصیت نامہ تکبیر میں شائع نہیں ہونے دیا ☆ محمد صلاح الدین قتل کیس کی تفتیش ☆ ہفت روزہ تکبیر میں مدیر منتظم رفیق افغان کی خاموش اور پراسرار سرگرمیوں کا آغاز؟ ☆ ملکہ افروز روہیلہ اور (تکبیر) کے ایک رکن حکیم سید نصیر الدین کی شادی ☆ رفیق افغان سید اصغر عباس ہاشمی، زہیر مصطفیٰ سید کی خواہش و کوشش سے ہوئی۔

☆عطیہ اقبال کی بڑی بہن سمعیہ اقبال زیدی کا تبصرہ ☆رفیق افغان اور عطیہ اقبال زیدی کے درمیان روابط؟ ☆محمد صلاح الدین کی اکلوتی صاحبزادی سعدیہ انجم نے جب اخبارات کے ذریعہ اپنے شک کا اظہار کیا؟ ☆یہ اقتدار واختیار اور جائداد وملکیت کا تو جھگڑا نہیں؟ ☆صحافت کی دنیا میں ایک نظر نہ آنے والی لابی تو کام نہیں کر رہی ہے؟ ☆ثروت جمال اصمعی دسمبر ۹۵ء سے یہ راز جانتے تھے کہ رفیق فغان کا کردار کیا ہے؟ ☆ثروت جمال اصمعی بروقت فیصلے کر کے ادارے تکبیر کو تباہی سے نہ بچا سکے۔ ☆تکبیر کے روبہ زوال کی داستان غلطیوں، کمزوریوں، بزدلی اور منافقت کی سیاہی سے لکھی جائے گی۔ ☆عطیہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ سعدیہ انجم کا رفیق افغان سے سوال ☆ایرہوسٹس شاہدہ عبدالخالق کی محمد صلاح الدین کے گھر آمد ☆وہ کئی راتیں رفیق افغان کے گھر میں سعدیہ اور رفیق کے مشترکہ بیڈروم میں گزار چکی ہے ☆شاہدہ رفیق افغان کو سلیم کے نام سے جانتی تھی؟ ☆۱۰ جنوری ۱۹۹۶ء سعدیہ انجم کی شاہدہ کیس کے سلسلے میں ثروت جمال اصمعی سے پہلی میٹنگ ☆تکبیر کے شعبہ اشتہارات میں رانا نامی لڑکے پر ہنٹر سے تشدد ☆ثروت جمال اصمعی کے ذاتی ملازم وڈرائیور ابوالکلام کی گرفتاری ☆سعدیہ انجم کا اپنے شوہر رفیق افغان پر پہلی بار شبہ کا اظہار ☆ملکہ نے وہ وائرلیس سیٹ اور لفافہ امانتاً زہیر مصطفیٰ سید کے سپرد ☆فروری 1996 رات ساڑھے تین بجے ملکہ کو خاتون کی پراسرار ٹیلی فون کال ☆۱۴ اگست ۹۶ء سے روزنامہ امت نے اپنی اشاعت کا آغاز کردیا ☆سعدیہ انجم اور بیگم صلاح الدین قطعی طور پر امت اخبار کے فوری اجراء کے حق میں نہ تھیں

☆ شاہدہ ۱۸ جنوری ۹۶ء کے بعد ملک سے باہر چلی گئی ☆ ثروت جمال اصمعی پر قاتلانہ حملہ کی سازش، رفیق افغان کے شاطرانہ دماغ کی ایک چال ☆ محمد کامل عرف گپی کی ہلاکت ☆ ملکہ افروز روہیلہ نے شادی کے بعد بھی تکبیر میں اپنی ملازمت جاری رکھی ☆ ۲۶ دسمبر ۹۶ء رفیق افغان و سعدیہ انجم کے ہاں شادی کے نو سال بعد بیٹے علی حمزہ کی پیدائش ☆ رفیق افغان کی طرف سے دو مرتبہ ملکہ افروز روہیلہ کو مالی معاونت کی پیشکش ☆ حکیم سید نصیر الدین اور زہیر مصطفیٰ سید کے درمیان رفیق افغان کے موضوع پر نشست ☆ ۱۹ مارچ ۹۷ء حکیم سید نصیر الدین کے فلیٹ پر سعدیہ انجم اور ثروت جمال اصمعی کی ملاقات ☆ ۱۰ جون ۹۷ء ثروت جمال اصمعی کا رفیق افغان کے نام خط ☆ تیسرا معاملہ عنبرین حمید نامی طالبہ کا ☆ رفیق افغان کا جوابی خط ثروت جمال اصمعی کے نام ☆ رفیق افغان اور ثریا بانو کی طرف سے استعفیٰ ☆ ثروت جمال، سعدیہ انجم، پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ کی رفیق افغان کے کرتوتوں کی پردہ پوشی ☆ تکبیر پر پولیس کا الفلاح تھانے کے ایس ایچ او مریز خان کی سرکردگی میں چھاپ ☆ ۲۰ جولائی ۹۷ء کو بیگم صلاح الدین شہید کا بھانجا وقار اپنی مسز کے ساتھ حکیم سید نصیر الدین کے گھر آیا ☆ ۲۵ اگست ۹۷ء کی رات ایک بجے حکیم سید نصیر الدین کے گھر تکبیر کے مدیر منتظم محمود احمد خان کا فون ☆ خالد آذر نے کئی بار رفیق افغان سے ملنے اور ثریا کے موضوع پر بات ☆ محمد صلاح الدین کے بھانجے محمد اعظم کا بحیثیت مینیجر تقرر ☆ چیف آف آرمی اسٹاف جہانگیر کرامت اور سابق جنرل حمید گل کے نام ثریا بانو کا خط ☆ شاہدہ کی ثریا بانو کے گھر آمد ثریا بانو کو مجبور کیا کہ وہ رفیق افغان سے اپنی لاتعلقی کا خط لکھے

☆ یکم ستمبر ۹۸ء کو پی ٹی وی پر مجوزہ شریعت بل پر حمایت کے لیے سعدیہ انجم کا پروگرام ☆ محمد اعظم کا لندن کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے تکبیر کے وسائل کا بھرپور استعمال ☆ سید فیض الرحمٰن، وقار، رفعت سعید، فاروق عادل کی رفیق افغان کے حق میں مہم ☆ محمد صلاح الدین قتل کیس پر ۳ دسمبر ۹۸ء کو روزنامہ نوائے وقت میں اطہر عباس کا کالم ☆ ادریس بختیار، اے ایچ خانزادہ، ضرار خان اور ڈرائیور امجد پرویز چار عینی شاہد؟ ☆ امت نے تکبیر کے رپورٹر محمد طاہر پر ذاتی رنجش کا الزام عائد کیا وہ رفیق افغان کا تقرر کیا ہوا تھا ☆ ۶ دسمبر ۹۸ء کو میں محمد صلاح الدین شہید پر منعقدہ پروگرام میں رفیق افغان کی اچانک شرکت ☆ سعدیہ انجم پر ہر طرف سے دباؤ وہ رفیق افغان سے صلح کر لیں ☆ ۴ جنوری ۹۹ء ثروت جمال اصمعی کے گھر تکبیر کے رپورٹرز اور دیگر کارکنان جمع ☆ ۵ جنوری ۹۹ء روزنامہ جسارت میں خبر سعدیہ انجم کا رفیق افغان سے علیحدگی کا فیصلہ ☆ خاموش فون کر کے حراساں کرنا اور فون ٹیپ کرنا خود رفیق افغان کا ایک خاص حربہ ☆ ایم کیو ایم کے حلقوں کی طرف سے سعدیہ انجم کی حمایت ☆ چیف آف آرمی اسٹاف، چیف جسٹس سندھ ہائیکورٹ کے نام سعدیہ انجم کا طویل خط ☆ وزیر داخلہ، گورنر سندھ، کور کمانڈر کراچی اور آئی جی کے نام سعدیہ انجم کا طویل خط ☆ ۱۷ جنوری ۹۹ء کو نوائے وقت میں گورنر سندھ لیفٹیننٹ جنرل (ر) معین الدین حیدر کا بیان ☆ سعدیہ انجم نے رفیق افغان کو مشتبہ قرار دینے کے لیے چار سال کا انتظار کیوں کیا؟ ☆ ادریس بختیار، ضرار خان، اعلاؤالدین خانزادہ یہ نام کس نے شامل کیے؟" ☆ سید اصغر عباس ہاشمی نے تکبیر کے بیورو آفس لاہور میں شکیلہ نامی لڑکی کو قابل اعتراض حالت میں دیکھا

☆ ثروت جمال اصمعی نے اپنی صوابدیدی اختیار پر اعزازی رپورٹر کے کارڈ جاری کیے ☆ ''شاید ایک حمام میں سب ننگے ہیں'' سعدیہ انجم نے سوچا ☆ پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ کے خلاف ایک فحش اسٹوری شائع کی گئی جس کے راوی محمود غزنوی ☆ سعدیہ انجم کا ملکہ سے مشورہ رفیق سے ملنا چاہئے یا نہیں؟ ☆ وکیل مظاہر صاحب سے دیوان گروپ کی پیشکش پر سعدیہ انجم نے مشورہ کیا ☆ سعدیہ انجم نے رفیق افغان کا ہاتھ تھام کر یوٹرن لیا ☆ وہ کونسی قوت یا طاقت تھی جس نے سعدیہ انجم سے یہ فیصلہ کروایا؟ ☆ سعدیہ کی واپسی کا سفر ''بہادری، دیانتداری، اصول پسندی، اور سچائی پر سوالیہ نشان''؟ ☆ ۱۸ جون ۹۹ء سعود ساحر کی کراچی آمد ثروت جمال اصمعی پر دباؤ استعفیٰ دیدیں ☆ طاہر نے عدالت سے بیگم محمد صلاح الدین کے نام جوابی نوٹس جاری کروادیا ☆ رفیق افغان کا خیال کہ اب اگر لمحوں میں پانسا نہیں پلٹا تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا ☆ رفیق افغان نے ۱۳ جولائی ۹۹ء بروز منگل ہفت روزہ تکبیر کا زمام اقتدار سنبھال لیا ☆ ۱۵ جولائی ۹۹ء کو تکبیر کے شعبہ ادارت کی سینئر رکن ملکہ افروز روہیلہ نے استعفیٰ دے دیا ☆ ۲۲ ستمبر ۹۹ء کو ثروت جمال اصمعی کی ادارت میں ہفت روزہ فاتح کا نیا پرچہ مارکیٹ میں آیا ☆ ثروت جمال اصمعی اور مدیر منتظم محمود احمد خان کی فاتح کے مالکان سے اختلافات اور علیحدگی ☆ مدیر تکبیر ثروت جمال اصمعی اور مدیر منتظم محمود احمد خان کی علیحدگی کی وجوہات کیا تھیں؟

روزنامہ امت اور ہفت روزہ تکبیر کے ان اشتہارات کا عکس جس میں یہ دعوے کئے گئے ''جو سب چھپاتے ہیں وہ ہم بتاتے ہیں''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(تحریری شہادت)

ابتدائیہ !

محمد صلاح الدین، بانی و مدیر تکبیر کی زندگی ان کے کام، کاز کے اعتبار سے ایک نمایاں اہمیت کی حامل رہی قیام پاکستان کے بعد صحافتی دنیا میں یوں تو قلم و کاغذ کے سہارے روزی کمانے والوں کو صحافی کا درجہ دیا گیا مگر صحافت کو ایک نظریاتی لب ولہجہ میں حق وسچائی کے ساتھ حقائق کی تشہیر بیابانگ دہل جن صحافیوں کے حصہ میں آئی محمد صلاح الدین اُس کے میر کارواں بنے۔ انہوں نے بہت بھر پور طریقے سے پیشہ ورانہ ذمہ داریاں نبھائیں جسارت میں رہے تو اُس دور کے حکمرانوں کے لئے ان کی جسارتیں ان کی جسارتیں نا قابل برداشت ہوتی تھیں۔ ان کی جسارت سے علیحدگی بھی ایک تاریخی واقعہ بن کر ہفت روزہ تکبیر کے روپ میں جب لوگوں کے سامنے آتی تو سب نے یہ جان لیا کہ حقائق کی تشہیر، سچائی کا اظہار، برائی کا کھوج اتنا مشکل نہیں ہے صرف تھوڑی سی ہمت اور جرأت چاہئے اس کی صلاح الدین میں کمی نہیں تھی۔ سو صحافتی افق پر تکبیر کا ستارہ یوں جگمگایا کہ سب نے اس روشنی کو نہ صرف دیکھا اور محسوس کیا بلکہ اسے سراہا۔ یوں محمد صلاح الدین کی زندگی ایک قندیل بنتی چلی گئی لیکن پھر اچانک ہی ایک دھماکہ ہوا اور یہ قندیل

بجھادی گئی روشنی اندھیرے میں گم ہوگئی۔ محمد صلاح الدین کی زندگی اہم تھی تو ان کی موت اہم تر، چونکا دینے والی، بے شمار سوالوں کو جنم دینے والی، ان کے دشمنوں کی قطار طویل تھی۔ ان کے قلم سے جس جس کے مفاد پر ضرب پڑی تھی وہ اپنی جگہ غیض وغضب سے بھرا تھا، گولیاں سب کے ہتھیاروں میں تھیں۔ موقع کی سب تلاش میں تھے مگر داؤ کس کا چلا صلاح الدین کے بہتے لہو میں کس کے ہاتھ آلودہ ہوئے، قاتل کون ہے؟ محمد صلاح الدین کا قتل کس نے کیا؟ یہ سوال 4 دسمبر 1994ء کی گہری ہوتی ہوئی رات سے لے کر ۵ جنوری 1999ء کی صبح قومی اخبارات کے صفحات پر جنم لینے والی سرخیوں کی زبان میں وہ کہانی رقم کر رہا تھا۔ جس کی تلخی اور سنگینی سے بڑھ کر چونکا دینے والے اس انکشاف نے کہ محمد صلاح الدین قتل کیس میں ان کے داماد رفیق افغان مدیر اُمت کو شامل تفتیش کیا جائے۔ ایک ہولا دینے والا سچ بن کر سامنے آیا اور یہ انکشاف کسی اور کی زبان سے نہیں خود شہید محمد صلاح الدین کی اکلوتی بیٹی سعدیہ انجم کی زبان اور قلم سے نکلا۔ کیا دوست، کیا دشمن، سیاسی، سماجی صحافتی حلقوں سے لے کر عام فرد تک میں کھلبلی مچ گئی۔

حیرت، دکھ، افسوس کے بیچ اعتراضات وسوالات کا ایک لامتناہی سلسلہ بھی شروع ہوتا چلا گیا۔ صلاح الدین کی زندگی اہم تھی تو ان کا قتل اہم تر اور ان کے قاتلوں کا انکشاف اہم ترین رخ اختیار کر گیا۔ اعتراضات وسوالات کی دھول اس طرح اڑائی گئی کہ سچ سچ نہ لگے، جھوٹ وسچ میں تفریق کو مشکل بنا دیا گیا۔ جس شخص کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تھی اُس کی موت اور بعد از موت کے حالات وواقعات پر اسرار کے پردے ڈال دیے گئے۔ حقائق شواہد صاف برتن میں شفاف پانی کی طرح ہوتے ہیں اس پانی میں گندگی کا

ایک ہی قطرہ سارے پانی کو میلا کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اسی طرح حقائق وشواہد میں جھوٹ کی آمیزش، سب کچھ بدل دیتی ہے۔ سچ کو منظر عام پر لانے کے لئے کبھی وہ قدم بھی اٹھانا پڑتا ہے جو دوستوں و دشمنوں کی نظروں میں معتوب بنا دیتا ہے۔ خود محمد صلاح الدین نے اپنی صحافتی زندگی میں اس کی مثال پیش کی، پیپلز پارٹی، جماعت اسلامی اور مہاجر قومی موومنٹ یہ وہ تین ایشو تھے جن پر انہوں نے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا۔ حقائق جہاں سے اور جیسے بھی ملے اُسے صفحات کی زینت بنا کر ہمیشہ کے لئے تاریخ کا حصہ بنا دیا۔ جماعت اسلامی کو توڑنے کا الزام اپنے سر لیا۔ پیپلز پارٹی سے ذاتی دشمنی مخاصمت کا طنز سہا، انہیں ایم کیو ایم کو نقصان پہنچانے کا طعنہ دیا گیا۔ مگر وہ ان تمام اعتراضات سے بلند ہو کر اپنا کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قدرت کی دی ہوئی مہلت اختتام ہوئی مگر یہ سفر تو ختم نہیں ہوا۔ آج جب اس کتاب کے لکھنے کی ابتداء ہو رہی ہے تو اس کا سبب بھی یہی نظریہ و اصول ہے۔

اس کتاب کا حرف حرف سچ پر مبنی ہے۔ یہ پس پردہ حقائق کا وہ ذخیرہ ہے جسے اگر حوالہ قلم نہ کیا جاتا تو جھوٹ و مفادات کی اڑائی ہوئی دھول میں سچ کا چہرہ واضح نظر نہ آتا۔ دوستوں کے روپ میں دشمنوں اور دشمنی کے پردے میں دوستی و محبت کا پردہ چاک نہ ہوتا۔ اس کتاب کا مقصد کسی فرد واحد یا کسی ادارے یا کسی ایجنسی کو قاتل ٹھہرانے کا نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مقصد کسی کے چہروں پر لگی ہوئی سیاہی کو دھونا ہے یہ تو فقط حقائق نامہ ہے۔ حالات وواقعات کی تصویر ہے یہ وہ آئینہ ہے جو آپ کو محمد صلاح الدین کی زندگی، موت اور بعد از موت پیش آنے والے حالات کو من و عن پیش کر کے دکھا رہا ہے۔ سمت کا تعین آپ کی ذمہ داری ہے اس آئینے میں

کس کا چہرہ مشکوک ہے۔ کس کا واضح، کس نے کیسے کیا کردار ادا کیا۔ بس یہی آپ کو دکھانا مقصود ہے۔ ان حقائق و سچ کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا کی عدالت میں بھی اور آخرت میں بھی ان کی سچائی کے ثبوت راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔ راقم الحروف پر گرم ہونے۔ ناراض ہونے یا انگلی اٹھانے سے پہلے لمحہ بھر کے لئے اپنے ضمیر کی عدالت میں جھانک لیجئے گا۔۔۔۔ ہمارا مقصد کسی کی بدنامی یا رسوائی بھی نہیں ہے۔ بدی کو اچھائی اور بدنامی کو برائی کا طوق تب ہی پڑتا ہے۔ جب سچائی کا گلہ گھونٹا جائے۔ کارخانہ قدرت میں حقیر ترین مچھر مکھی سے لے کر مٹی کا معمولی ذرہ بھی بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا ہے۔ قدرت نے جس سے جو کام لینا ہوتا ہے وہ اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ راقم الحروف ان حالات وواقعات کی عینی شاہد ہے۔ جو اس کے سمع و بصر کی راہ ذہن میں جمع ہوتے چلے گئے۔ شاید اللہ کی طرف سے یہ سب اسی لئے ممکن ہوا ہے کہ قدرت کو ان حقائق کی اشاعت مطلوب ہے۔ ترجمہ: ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا ہے اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ غفور الرحیم ہے۔ (الاحزاب آیت ۲۳ تا ۲۴ پارہ ۲۱) ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو انصاف کے علم بردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں ہی پر کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم

سے زیادہ اُن کا خیر خواہ ہے۔ لہٰذا اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ (النساء ۱۳۵ پارہ ۵)

محمد صلاح الدین کی اکلوتی صاحبزادی سعدیہ انجم نے جب اخبارات کے ذریعہ اپنے اس شک کا اظہار کیا کہ ان کے شوہر رفیق کو بھی شامل تفتیش کیا جائے تو اعتراضات کا بھی ایک در سا کھل گیا۔ پھر دونوں یعنی صلاح الدین کی صاحبزادی اور داماد کے درمیان بیانات، جوابی بیانات الزامات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس سے خانگی معاملات بھی ایک ایک کر کے سامنے آنے لگے۔ گویا ایک محاذ جنگ کھل سا گیا۔ اس دو بدو جنگ کو کسی صاحب دل، صاحب خیر، محب وطن اور محب اسلام نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا۔ اکثریت کا یہی خیال تھا کہ یہ سب اچھا نہیں ہو رہا۔ کئی سوالات اٹھائے گئے۔

(۱) صلاح الدین کی شہادت کے پورے چار سال بعد رفیق افغان کو شامل تفتیش کرنے کا بنیادی سبب کیا تھا؟

(۲) سعدیہ انجم کو اگر پہلے سے شبہ تھا تو وہ چار سال تک خاموش کیوں رہیں؟

(۳) وہ کسی کے بہکانے میں تو نہیں آ رہیں؟ متحدہ نے تو اپنا جال تو نہیں پھیلایا ہوا؟

(۴) یہ اقتدار و اختیار اور جائداد و ملکیت کا تو جھگڑا نہیں؟

کیا اس سارے قصے میں ہفت روزہ تکبیر اور روزنامہ اُمت کا وہ ظاہری کردار متاثر نہیں ہوا جو اسلام پسند قوتوں کی موثر آواز کے طور پر

سامنے آتا رہا ہے۔ تکبیر اپنے اجراء سے لے کر ۲ دسمبر ۱۹۹۴ء تک محمد صلاح الدین کے ذاتی کردار کے بلند پایہ اوصاف جس میں دیانت داری، سچائی، ملک قوم اور نظریہ اسلام سے گہری وابستگی کے سبب حق وسچائی کا علمبر دار رہا قطع نظر چند شخصی کمزوریوں یا نادانستگی میں ہونے والی ان کی ان کوتاہیوں کے سبب جوان سے سرزد ہوئیں مثلاً وہ ضیاء الحق مرحوم کی اسلام پسندی کی چکا چوند میں اس زہر کو نہ دیکھ سکے جو ملک کے سیاسی سماجی وصحافتی اداروں میں ایجنسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کی صورت میں پھیلتا چلا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے خفیہ اداروں کا ملک کی بقاء سلامتی میں ایک کردار ہوتا ہے مگر جب یہی خفیہ ادارے ملک کے دشمنوں کا کھوج لگا کر ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے بجائے اپنے ہی ملک کے اداروں میں اپنے ہی ملک کے مفاد پرست عناصر کے آلہ کار بن کر بنیادیں کھودنے لگیں تو اداروں کے زمین بوس ہوتے دیر نہیں لگتی۔

دکھ اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں بقول ایک معروف صحافی کے ''پاکستان میں امریکی سی آئی اے کے طرز پر ایک نظر نہ آنے والی حکومت Imvisible government تو قائم نہیں ہو چکی ہے؟'' صحافت کی دنیا میں بھی ایک نظر نہ آنے والی لابی تو کام نہیں کر رہی ہے؟ صحافت کی دنیا میں آج یہ سوال غور طلب ہے۔

ابتداء ہی سے تکبیر کی رپورٹوں کو صحافتی وغیر صحافتی حلقوں میں بہت غیر معمولی پذیرائی اسی بناء پر ملتی رہی کہ یہ جو حقائق ہوتے جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے مگر جنہیں تکبیر کے صفحات چھاپتے تو پڑھنے والوں میں ایک ہلچل سی مچ جاتی، ان حقائق کا

سامنے آتا رہا ہے۔ تکبیر اپنے اجراء سے لے کر ۴ دسمبر ۱۹۹۴ء تک محمد صلاح الدین کے ذاتی کردار کے بلند پایہ اوصاف جس میں دیانت داری، سچائی، ملک قوم اور نظریہ اسلام سے گہری وابستگی کے سبب حق وسچائی کا علمبردار رہا قطع نظر چند شخصی کمزوریوں یا نادانستگی میں ہونے والی ان کی ان کوتاہیوں کے سبب جو ان سے سرزد ہوئیں مثلاً وہ ضیاء الحق مرحوم کی اسلام پسندی کی چکاچوند میں اس زہر کو نہ دیکھ سکے جو ملک کے سیاسی سماجی وصحافتی اداروں میں ایجنسیوں کے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ کی صورت میں پھیلتا چلا گیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملک کے خفیہ اداروں کا ملک کی بقاء سلامتی میں ایک کردار ہوتا ہے مگر جب یہی خفیہ ادارے ملک کے دشمنوں کا کھوج لگا کر ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے بجائے اپنے ہی ملک کے اداروں میں اپنے ہی ملک کے مفاد پرست عناصر کے آلہ کار بن کر بنیادیں کھودنے لگیں تو اداروں کے زمین بوس ہوتے دیر نہیں لگتی۔

دکھ اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے ہاں بقول ایک معروف صحافی کے ''پاکستان میں امریکی سی آئی اے کے طرز پر ایک نظر نہ آنے والی حکومت Imvisible government تو قائم نہیں ہو چکی ہے؟'' صحافت کی دنیا میں بھی ایک نظر نہ آنے والی لابی تو کام نہیں کر رہی ہے؟ صحافت کی دنیا میں آج یہ سوال غور طلب ہے۔

ابتداء ہی سے تکبیر کی رپورٹوں کو صحافتی وغیر صحافتی حلقوں میں بہت غیر معمولی پذیرائی اسی بناء پر ملتی رہی کہ یہ جو حقائق ہوتے جو عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتے مگر جنہیں تکبیر کے صفحات چھاپتے تو پڑھنے والوں میں ایک ہلچل سی مچ جاتی، ان حقائق کا

ذریعہ عموماً ایسے ہی خفیہ ادارے ہوتے جو ملک کی سلامتی کو درپیش حالات وواقعات کو عوام کے سامنے لانے کے لئے یہ چینل استعمال کرتے خود بانی تکبیر محمد صلاح الدین نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ ان کی رسائی ملک کے ان خفیہ اداروں تک نہیں ہے وہ اسلام اور پاکستان کی سلامتی کے لیے ایسے تمام خفیہ اداروں، افراد اور اہم شخصیات کو استعمال کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔(ان اداروں کے ہاتھوں میں استعمال ہونے یا انھیں استعمال کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے)۔

ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ایم کیو ایم کو بنانے والے ہاتھوں نے مہاجر قوم کو تباہ و برباد کرنے کے لئے الطاف حسین کی شکل میں وہ بت تراشا تھا جس کے پردے میں کراچی میں فساد اور مہاجروں کی بربادی کے اُس گھناونے کھیل کی پلاننگ کی گئی۔ جس نے آج تیس برس بعد یہ ثابت کردیا کہ ان برسوں میں دو تین لاکھ افراد کا قتل جس میں ننانوے فیصد مہاجر تھے آج شہر کراچی کی دو کروڑ کی آبادی میں نصف سے بھی کم مہاجر آبادی رہ گئی ہے۔

ان خون آشام برسوں میں جہاں غریب امیر، معروف وغیر معروف افراد وشخصیات کا قتل ہوا وہیں ایسے برج اور ستون بھی گرائے گئے جن پر اس شہر کی چھت ٹکی تھی۔ محمد صلاح الدین، حکیم محمد سعید یہ وہ دو قتل ایسے ہیں جن کے قاتلوں کے طور پر ایم کیو ایم کا نام لیا گیا۔ اور جب ایم کیو ایم سے وابستہ افراد بحیثیت ملزمان کے عدالت کے کٹہرے میں پہنچنے لگے تو محمد صلاح الدین کیس کا پانسہ ہی پلٹ گیا۔ گھر کی گواہی نے ببانگ دہل کہا کہ قاتل یہ نہیں ہیں۔ قتل کسی اور نے کیا ہے۔ مجرم کوئی اور ہے اور ملزم کے طور پر اُسی

داماد کو ٹائٹل اسٹوری کا درجہ ملا جس کی تصویر افغان جہاد میں بہترین رپورٹر کے طور پر ٹائٹل پر آویزاں کی گئی تھی۔

یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا؟

اس کہانی کے پس پردہ کیا حقائق تھے؟

کیا سعدیہ انجم حقیقت میں متحدہ یعنی ایم کیو ایم کے حوالے سے ٹریپ کی گئی یا بقول رفیق افغان کے اُن ایجنسیوں نے ان کا گھر اُجاڑنے ان کو ملزم بنانے میں کوئی کردار ادا کیا جو ملک کی بقاء وسلامتی کا پھریرا ہاتھ میں لے کر ملک کے اندر صحافتی وغیر صحافتی اداروں کی بنیادوں میں رچ بس گئی ہیں؟

سعدیہ انجم کی بیک پر ان کے باپ محمد صلاح الدین شہید کا بے داغ کردار جس کی پاکیزگی وسچائی کی گواہی دشمن بھی دیتے ہیں۔ خود سعدیہ انجم کو قریب سے جاننے والے ان کے عقل وشعور معاملہ فہمی کے معترف رہے ہیں۔ اس لئے ۵ جنوری ۹۹ء کو اخبارات کی زینت بننے والے بیانات کو جذباتی ابال یا خانگی اختلاف یا کسی انتقامی جذبہ سمیت لوگوں کے بہکانے کا عمل یا ردعمل قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ سعدیہ انجم نے اپنے شوہر رفیق افغان کو صلاح الدین کیس میں شامل تفتیش کر کے جس ٹھہرے ہوئے پانی میں پہلا پتھر پھینک کر اضطراب برپا کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایک انتہائی قدم نہیں تھا۔ ساتھ ہی رفیق افغان سے علیحدگی کا فیصلہ بھی عجلت پسندی پر محمول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان دونوں اقدام کے لئے جس وقت کا انتخاب کیا گیا جن لوگوں کی پشت پناہی نے

انہیں یہ حوصلہ دیا وہ بجائے خود ایک اہم نازک اور حساس موضوع ہے۔ پھر سعدیہ انجم کے قلم سے جو کچھ لکھوایا گیا وہ آدھا سچ ہے
سیانے کہتے ہیں کہ ادھوری سچائی جھوٹ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ہے۔ سعدیہ انجم نے رفیق افغان کو شامل تفتیش قرار دے
کر باطل اور سچائی کی اس جنگ کو محض ایک خانگی جھگڑے کا روپ دے دیا۔ ان کی نظر اسٹیج پر ناچتی کٹھ پتلیوں کے چہروں میں الجھ کے
رہ گئیں۔ وہ پس پردہ ان چہروں کو حقیقت نہ دیکھ سکیں جن کے ہاتھوں میں ان کٹھ پتلیوں کی ڈوریاں تھمی تھیں یا سعدیہ انجم نے جانتے
بوجھتے سمندر کا انت تلاش کرنے کے بجائے آتی جاتی لہروں کی گنتی پر خود کو مجبور پایا۔ قارئین ایک غلطی بانی تکبیر محمد صلاح الدین سے
ہوئی تھی جس کی قیمت وہ اپنی جان دے کر بھی ادا نہ کر سکے۔ دوسری غلطی ان کی بیٹی اور وہ قریبی رفقاء شہید کرتے رہے۔ وہ اس
سازش کی گہرائی تک پہنچے بغیر یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ اس ملک میں گذشتہ دو دہائیوں سے اسلام پسند عوام کی آواز کو زیادہ موثر طریقے
سے پوری دنیا میں بالعموم اور اس ملک میں بالخصوص عوام و خواص تک پہنچانے میں میڈیا کا جو رول رہا ہے ہفت روزہ تکبیر نے اس
میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ تکبیر کے اجراء کے وقت ہی محمد صلاح الدین اور ان کی ٹیم نے جس میں ثروت جمال اصمعی متین الرحمٰن
مرتضیٰ سرفہرست ہیں۔ یہ لکھ دیا تھا ''ہماری فکر کا محور اسلام، ہمارا منہاج یگانگت اسلام اور ہمارا معیار عداوت اسلام، ایسا اسلام جو
زندگی کو تقسیم کر کے کچھ حصوں کو دین کی گرفت سے استثنیٰ نہیں دیتا بلکہ زندگی کو ایک مربوط اکائی قرار دے کر اس پر پوری طرح محیط
ہے''۔ بحوالہ محمد صلاح الدین تجزیہ ۲۳ مارچ ۸۴ء''۔ یہی وجہ ہے کہ محمد صلاح الدین اور ان کے رفقاء کی ظاہری و باطنی زندگی کے ہر

گوشے کو بے نقاب کرتے جایئے آپ کو معمولی شخصی کمزوریوں سے ہٹ کر بددیانتی، بے حیائی، مالی بدعنوانی، رشوت، سفارش، بلیک میلنگ جسے گھناؤنے جرائم کی معمولی جھلک بھی دکھائی نہ دے گی۔ ان کے اثاثوں کی فہرست سامنے رکھتے جایئے۔ جائز وحلال ذریعہ آمدنی سے زندگی گزارنے والوں سے بھی کمتر ان کا بنک بیلنس تھا ان کے رہن سہن وگزر اوقات پر نظر ڈالیے سفید پوشی کے پردے میں سادگی وقناعت کا اجالا ہی پھیلا دکھائی دے گا مگر۔۔۔ یہی تو وہ سرمایہ افتخار وہتھیار تھا جس کی بنیاد پر ہفت روزہ تکبیر نے برائی و بے حیائی اور باطل قوتوں کے سامنے قلم سے جنگ لڑی۔ تکبیر کے اجراء کے فوراً بعد پڑوسی ملک افغانستان میں ایک دوسری سپر پاور روس کی مداخلت وغاصبیت کے خلاف تکبیر نے افغان مجاہدین کی پشت پناہی میں بہت تاریخی کردار ادا کیا قطع نظر اس کے کہ یہ جنگ ایک پہلی سپر پاور یعنی امریکہ کے مفادات کے حوالے سے بھی اہم ترین تھی اور اس نے اس ملک اور یہاں کے اداروں کو بیس کیمپ بناتے ہوئے اپنی جنگ لڑی، امریکی سی آئی اے سمیت ہمارے ملک کے تمام خفیہ ادارے، آئی ایس آئی، ایم آئی، آئی بی، اسپیشل برانچ پوری طرح جہاد افغانستان میں مصروف تھیں۔ سی آئی اے کے حکام نے افغان جنگ کے دوران پاکستان میں قیام کیا اپنے منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے سی آئی اے افغانیوں اور پاکستانیوں کو استعمال کرتی رہی اگرچہ افغان جنگ ختم ہوگئی مگر امریکی سی آئی اے سمیت پاکستانی خفیہ اداروں کا کردار اس ملک سے ختم نہیں ہوا۔ تمام سیاسی جماعتوں سمیت ملک کے اہم اداروں وصحافتی حلقوں میں ملک دشمن اسلام دشمن عناصر غیر محسوس انداز میں داخل ہوتے چلے گئے۔ یا ان کے زیر اثر آنے والے افراد اور ادارے ملکی

مفاد پر ذاتی مفاد، دھن دولت کو ترجیح دینے لگے اور بگاڑ کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس نے ہمارے ملک اور ہمارے شہر کراچی کی دنیا تہہ وبالا کر دی۔ بے گناہ و بے قصور انسان گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے اسلحہ و بارود کی وہ کھیپ کی کھیپ اس شہر میں آئی کہ ہر گلی کوچہ سڑک بازار میں چلنے والے نو عمر لڑکوں کے ہاتھوں میں یہ کھلونے لہرانے لگے۔ بات بہت طول کھینچ لے گی مگر جس ادارے اور جس شخص پر قلم اٹھانے جا رہی ہوں اس کا حوالہ دیئے بناء بات آگے نہیں بڑھے گی۔ کوٹہ سسٹم، الطاف حسین اور صاحب اقتدار طبقہ جو مختلف ادوار میں بدلتا رہا مگر اس شہر کی حالت نہ بدلی شہر میں کروڑوں اربوں روپوں سے چلنے والے قانون کے محافظ ادارے پولیس رینجرز اور ایجنسیاں یہی وہ تین عناصر ہیں۔ جنہیں قانون کی بالا دستی کرتے ہوئے جرم کا خاتمہ کرنا تھا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ مہاجر کے سینے کو چھلنی کرنے کے لئے مہاجر ہی کے کاندھے پر بندوق رکھ کر چلائی گئی۔ کوٹہ سسٹم کی کھاد سے اس زمین کو نرم کیا گیا۔ جس میں جرم کا بیج بویا جا سکے۔ پھر الطاف حسین کی صورت میں اسے پانی ہوا روشنی مہیا کی گئی۔ جب جرم کی فصل پک کر تیار ہو گئی تو مہاجر نوجوانوں کے کٹے سروں کے وہ مینار تعمیر ہوئے کہ اگر آج ہلاکو اور چنگیز بھی ہوتے تو اس ظلم و ستم کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتے۔ مہاجر قومی موومنٹ کی زندگی سے اگر ہفت روزہ تکبیر کو نکال دیا جائے یا ہفت روزہ تکبیر کے ٹائٹل سے ایم کیو ایم کو ہٹا دیا جائے تو دونوں ہی اس ادھورے آدمی کی طرح ہونگے جس کی تکمیل ایک دوسرے کے بغیر نہ ممکن ہے۔ محمد صلاح الدین کی تحریروں کا پچاس فیصد سے زائد حصہ مہاجر قومی موومنٹ اور الطاف حسین کے حوالے سے رقم ہوا۔ یہاں تک کہ انہیں یہ لکھنا پڑا کہ ”تکبیر کراچی میں محصور کیوں؟“

محمد صلاح الدین نے ایم کیو ایم کا مقدمہ ایم کیو ایم ہی کی عدالت میں بار بار لڑا۔ وہ مہاجرین کو سمجھاتے کہ الطاف حسین تمہارا دوست رہبر رہنما نہیں ۔ ملک دشمن قوم فروش وہ ایجنٹ ہے جو دوستی کے پردے میں بدترین دشمنی کی مثال قائم کر رہا ہے۔ وہ مہرہ ہے جو مہاجروں کو برباد کرنے کے لئے بساط سیاست پر چلایا گیا ہے۔ صلاح الدین کی آواز سنی جانے لگی تھی۔ مہاجروں میں بیداری کی لہر کروٹ لینے لگی تھی۔ محمد صلاح الدین تجزیاتی محاذ پر پوری دیانت داری سے اپنا فرض ادا کر رہے تھے مگر رپورٹنگ کی سطح پر ان سے بھول ہونے لگی وہ اپنے کچھ ایسے رپورٹرز اور قریبی افراد کے دام میں پھنستے چلے گئے۔ جن کی دی ہوئی رپورٹوں پر یوں گمان گزرتا جیسے لکھنے والا وقوع پذیر حادثے کی منصوبہ بندی سے لے کر اسلحہ کی ساخت و قیمت تک کے مراحل کا عینی شاہد رہا ہو۔ جرم، کا بیج بونے سے لیکر اس کے تن آور درخت بننے تک کی محافظ آنکھوں، ہاتھوں کے دیئے ہوئے نوجوانوں کے نام و پتے شناخت حلیے اور جرائم کی فہرست قارئین کو لمحاتی حیرانی استعجاب داد و تحسین کا کلمہ خیر تو ضرور بلند کراتی لیکن کچھ پڑھنے والے ذہین یہ سوچتے رہ جاتے ہیں کہ یہ سب کیوں اور کیسے ہو رہا ہے؟ کہیں محمد صلاح الدین نادانستگی میں استعمال تو نہیں ہو رہے۔؟ شاید یہ لمحات بھی وہی تھے جب محمد صلاح الدین نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اتنا سب کچھ لکھنے، بگاڑ، برائی کی نشاندہی کرنے رائے مشورے و تجاویز دینے کے باوجود برف کیوں نہیں پگھلتی ہے۔ مہاجروں کی حالت زار کیوں نہیں بدلتی، ملک میں خوشحالی کا رستہ کیوں نہیں کھلتا۔ اسلام و محب وطن قوتوں کی آواز کو کیوں دبایا جا رہا ہے؟ وہ حالات کو بہت کچھ جان اور سمجھ گئے تھے۔ صاحب اقتدار سمیت حکومت گراؤ بناؤ اداروں کا

اخلاص بھی کھل کر اُن کے سامنے آ چکا تھا۔ اللہ نے ان کے قلم میں تلوار سی کاٹ اور دلائل کا ایسا انبار دیا تھا کہ پڑھنے والا ان کے ذہن سے سوچنے لگ جاتا۔ وہ رائے عامہ کو بنانے وسنوارنے میں سو فیصد کامیابی کے گر جانتے تھے۔ جوان کی اخلاص نیت کے سبب ایک سو ایک فیصد پورے ہوتے ملکی سیاست کی بساط پر ادلتے بدلتے مہروں کا گیم کھیلنے والے ماسٹر برین کی شارپ نظروں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کراچی کی تقدیر کا فیصلہ ہو یا ملکی معیشت کی غلامی کا پروانہ اُن ستونوں کو گرائے بغیر ممکن نہیں جو آج بھی اسلام اور پاکستانیت کا سہارا لیے اس ملک کے بے سہارا عوام کو سہارا دینے کی سعی میں مصروف ہیں۔ کچھ ستونوں کو گرانے کے لئے بیرونی وظاہری بارود کی تہہ بچھائی جاتی ہے۔ تو کچھ آہنی چٹانوں کو اڑانے کے لئے اس کے اندر سے بارود کا دھماکہ کیا جاتا ہے۔ محمد صلاح الدین اور حکیم محمد سعید کا قتل اسے ہی مذموم ارادے ونیت رکھنے والے دشمنوں کی طرف سے کی گئی منصوبہ بندی کی دو مثالیں ہیں۔

اسلحہ ہاتھ میں لے کر خون بہانے والا ہی قاتل نہیں ہوتا۔ قاتل کے ہاتھ میں اسلحہ دینے والا بھی قاتل ہے۔ قتل کی منصوبہ بندی کرنے والا بھی قاتل ہے۔ اُن قاتل منصوبہ سازوں کو کیپ کرنے والا بھی قاتل ہے۔

قاتلوں کی اس لمبی فہرست میں مشتبہ افراد کا کیا کردار رہا؟

اس گتھی کو سلجھانا قانونی طور پر قانون دانوں کا فرض ہے۔ ایک قلمکار اور صحافی ہونے کی حیثیت سے میں تو صرف اُن حالات، واقعات، مشاہدات اور تجربات کو قارئین تک پہنچانے کا خود کو پابند سمجھتی ہوں۔ اپنے حصہ کا سچ کہنے اور لکھنے کی ذمہ دار ہوں۔ اس

رائے اور خیال کو ظاہر کرنے کی پابند ہوں۔ جو اس ناچیز کے ذہن میں خالق وکل نے ڈالا کہ اگر آج بھی ادھوری سچائی اور حق و ناحق کے درمیانی راہ کا علم نہ لہرایا گیا۔ تو آنیوالی کل میں کوئی بھی اس ملک میں وقار معیار اور اعتبار کی صحافت نہ کر سکے گا۔ نظر نہ آنے والے ہاتھ اداروں کا وقار کھوتے رہیں گے۔ نظریہ پاکستان کے دشمن یونہی نقب لگاتے رہیں گے اور نادان دوست صحافی اصولوں و سچائی کی صحافت کے بجائے مصلحتوں کی صلیب پر لٹکے ٹشو پیپرز کی طرح استعمال ہوتے رہیں گے۔ (وماعلینا ال البلاغ)

ابھی قلم کی سیاہی اتنا لکھے پر خشک بھی نہ ہوتی تھی کہ ۷ جون ۱۹۹۹ء کے غروب ہوتے ہوئے سورج نے یہ منظر بھی دیکھا کہ چھ مہینے پہلے باپ کے قتل کے الزام میں شوہر کو کٹہرے میں کھڑی کرنے والی سعدیہ انجم بنت محمد صلاح الدین نے اُسی رفیق افغان کا ہاتھ پھر سے تھام کر اس طرح یوٹرن لیا کہ دیکھنے، سننے اور پڑھنے والوں کے ذہنوں نے ایک قابل دیانت دار باپ کی باشعور بیٹی کے چہرے پر جذباتی، نفسیاتی اور پاگل عورت، کا کلنک لگا کر اس کی جھولی میں ہمیشہ کے لئے بدنامی ورسوائی کی سوغات ڈال دی۔ سعدیہ انجم نے یہ فیصلہ کیوں کیا؟ وہ کونسی قوت یا طاقت تھی جس نے سعدیہ انجم سے یہ فیصلہ کروایا؟ وہ کون لوگ تھے جنھوں نے پہلے سعدیہ انجم کو اس انتہا پر پہنچایا کہ اس کے لئے رفیق افغان کو قاتل ٹھہرانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا اور پھر سعدیہ انجم کو دھکیل کر بند گلی میں لے جانے والے کون تھے؟ سعدیہ انجم کی رفیق افغان کے ساتھ گھر واپسی کا فائدہ کس کو پہنچا؟ اس سارے کھیل میں کیا محض طاہر نامی رپورٹر کا حصہ تھا یا اس کے پس پردہ کوئی اور کھیل کھیلا جارہا تھا؟

مدیر تکبیر ثروت جمال اصمعی اور مدیر منتظم محمود احمد خان کی علیحدگی کی وجوہات کیا تھیں؟ ثروت جمال اصمعی دسمبر ۹۵ء سے یہ راز جاننے کی باوجود کہ رفیق فغان کا کردار اخلاقی ، مالی اور محمد صلاح الدین قتل کیس کے حوالے سے ابتداء ہی سے مشکوک رہا، کیوں بر وقت فیصلے کر کے ایک ادارے کو تباہی سے نہ بچا سکے۔ افراد کی غلطیاں کمزوریاں اداروں کو کس طرح تباہ کرتی ہیں برائی کے ہاتھ مضبوط تب ہی ہوتے ہیں جب سچائی وایمانداری کا دعویٰ کرنے والے کمزور و بزدلی و کم ہمتی کا کشکول گلے میں ڈال لیں اور چھوٹے چھوٹے ذاتی مفادات کے لئے گھر، افراد اور اداروں کی نیک نامی و عزتوں کو داؤ پر لگا دیں۔ تکبیر کے رو بہ زوال کی داستان ایسی ہی غلطیوں کمزوریوں اور بزدلی کی سیاہی سے لکھی جائے گی۔ لیکن اس سے قبل تکبیر اور محمد صلاح الدین شہید کی پدرانہ شفقت اور سعد یہ انجم کی بے لوث محبت اور دوستی کا قرض راقم الحروف ادا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہے۔ یہ کتاب جس کی ابتدا قدرت نے محمد صلاح الدین شہید کی شہادت سے قبل ہی گھر اور ادارے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے تجربے اور مشاہدے سے کر دی تھی۔ وقت اور بدلتے حالات کے ساتھ اللہ اس فریضہ کی ادائیگی کے راستے کو مزید آسان کرتا چلا گیا۔ راقم الحروف کی ادارے (تکبیر) کے ایک رکن حکیم سید نصیر الدین سے شادی جو خود رفیق افغان کی خواہش و کوشش کے سبب عمل میں آئی۔ رفیق افغان نے راقم الحروف کی شادی کیوں اور کس لیے جلد کرائی۔ اس کا اندازہ کتاب میں درج حالات و واقعات سے آپ بخوبی کر لیں گے۔ مزید اس کار خیر پر کتاب کے پبلشر حکیم سید نصیر الدین نے پیش لفظ میں روشنی ڈال دی ہے۔

قدرت نے دو دلوں میں ایک ساتھ یہ خیال ڈالا کہ صلاح الدین قتل کیس کے پس پردہ حقائق کو ہر صورت میں منظر عام پر آنا چاہئے قدرت نے دو مختلف سمت میں رہنے والے افراد کو ایک رشتے میں باندھ کر کیا۔ اگر میرے شوہر اس کام میں میری مدد نہ کرتے کتاب کی اشاعت جیسی بھاری ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی ہمت نہ کرتے تو شاید یہ سارے حقائق ہمیشہ کے لئے راقم الحروف کی ڈائریوں ودستاویزات کی صورت میں دفن ہو جاتے۔ لیکن اللہ کی مدد اور ان کی کوشش ومحنت سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر میری اس جرأت بیان سے کسی کی دل شکنی ہوئی ہے تو اسے یہ سمجھ کر نظر انداز کر دیں کہ سچ دو دھاری تلوار کی طرح ہے۔ اس کی ضرب اپنوں پر بھی پڑتی ہے اور غیروں پر بھی!

یہ ابتدائیہ اور یہ کتاب اکتوبر ۱۹۹۹ء میں مکمل طور پر لکھ لی گئی تھی اور یہ ارادہ تھا کہ تاریخ کی درُستگی کے لیے اس قولی وقلمی شہادت کو شائع کریں گے لیکن کچھ نادیدہ کرم فرماؤں کی وجہ سے ہمیں یہ فیصلہ 12 سال بعد ہی کیوں کرنا پڑا؟ جس کی تفصیل اور جواب آپ حکیم سید نصیر الدین کے پیش لفظ میں پڑھیں گے (مورخہ ۱۰ مارچ ۲۰۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”پروردگار میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں“ (ترجمہ سورۃ طٰہٰ آیت نمبر ۲۵۔۲۶۔۲۷)

پیش لفظ

میرے ہاتھوں کو یہ جاننے کا حق ہے

ڈیجیٹل کتاب شہادت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ کتاب کیوں اور کن حالات میں لکھی گئی؟ اس کے لیے مجھے کیا قربانی دینا پڑی میں اور میری فیملی نے کس طرح سفر کیا؟ میری زندگی کے 12 قیمتی سالوں کو کس طرح آسرے کے ساتھ ضائع کرایا گیا۔ اس پوری سچائی کو سامنے لانے کے لیے میں نے یہ پیش لفظ اتنی تفصیل سے لکھا ہے جس کا عنواں ہے ”میرے ہاتھوں کو یہ جاننے کا حق ہے“ پہلا صفحہ آپ پڑھ رہے ہیں باقی تفصیلات اس کتاب کے آخر میں دی جا رہی ہیں تا کہ کتاب شہادت کی اصل روح ضائع نہ ہو غیر جانبدارانہ حقائق کا مطالعہ ہی آپ کو یہ آگہی دے گا کہ میرا قصور کیا تھا؟ میں نے کیا جرم کیا ہے جس کی مجھے آج بھی سزا دی جا رہی ہے۔ میرے لیے روزگار کے دروازے بند ہیں اور مجھے گزشتہ 12 سال سے ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ سچائی کا کھوج لگانا اور اسے سب کے سامنے لانا اس راستے کا میں تنہا مسافر نہیں (مزید تفصیلات کتاب کے آخر میں)

محمد صلاح الدین کی شہادت کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد ۱۷ جنوری ۱۹۹۵ء کو بیگم صلاح الدین کے گھر پر رفیق افغان صاحب اور سعدیہ انجم کے ساتھ مٹینگ میں ملکہ کو افروز روہیلہ کو صلاح الدین شہید پر کتاب لکھنے کا کام تفویض کیا گیا اس سلسلے میں محمد صلاح الدین شہید کے رشتے دار حضرات کے انٹرویو کیے گیے اسی دوران جنوری ۱۹۹۵ء کے آخری ہفتے میں ممتاز کالم نویس اور صحافی ہارون رشید صاحب نے پہلے بذریعے خط ہفت روزہ تکبیر سے رابطہ کیا۔ ملاقاتیں کیں صلاح الدین شہید کی ذاتی لائبریری اور دفتر کا دورہ کیا ملاقاتیں کیں لیکن صلاح الدین شہید پر 17 سال بعد بھی کتاب سامنے نہ آ سکی؟ اس سوال کا جواب ہارون رشید بہتر دے سکتے ہیں کہ انہوں نے صلاح الدین شہید پر کتاب کیوں نہیں لکھی؟ کیا وجوہات تھیں؟ ملکہ افروز روہیلہ نے تکبیر میں رہتے ہوئے صلاح الدین کی شہادت کے بعد ان کی دو کتابیں کمپائل کر کے ادارے کو دیں نمبر ۱ ''محمد صلاح الدین شہید کے معروف شخصیات پر لکھے ہوئے خاکوں پر مبنی کتاب'' نمبر ۲ سندھ کے حوالے سے صلاح الدین شہید کے مضامین و تجزیوں کا انتخاب'' راقم الحروف اس بارے میں لاعلم ہے کہ گذشتہ ۱۷ سالوں میں محمد صلاح الدین شہید پر ادارہ مطبوعات تکبیر (امت) نے کتنا کام کیا؟ ☆ زکریا یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے ۱۹۹۵ء ہی میں محمد صلاح الدین شہید پر مقالہ تحریر کیا تھا۔ ☆ حیدر آباد میں تکبیر کے سابق نمائندے اور معروف صحافی ظہیر احمد نے صلاح الدین شہید پر ایک کتاب ''صلاح الدین کا قاتل کون ہے؟'' تحریر کی جو ایک خاص نقطہ نظر کو واضع کرتی ہے۔ در پردہ حقائق کو زیر بحث نہیں لایا گیا،

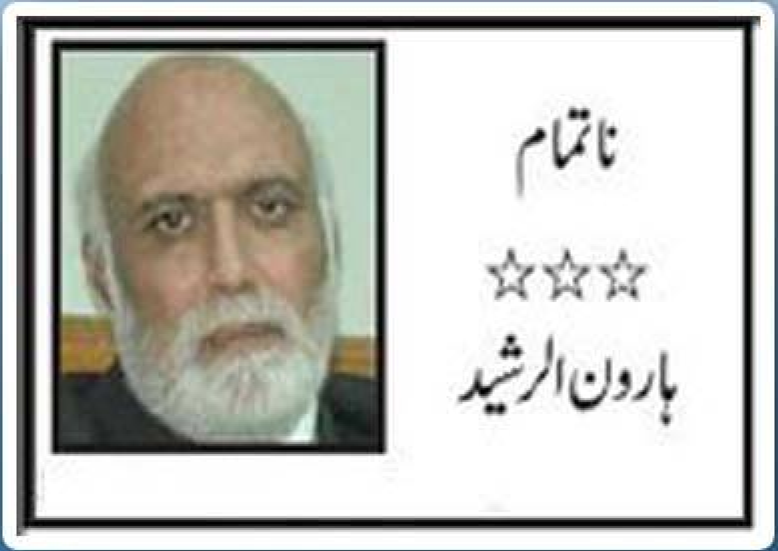

ممتاز کالم نویس اور صحافی
ہارون رشید سے ایک سوال
محمد صلاح الدین شہید
پر کتاب سامنے نہ آسکی ؟
کیوں ؟

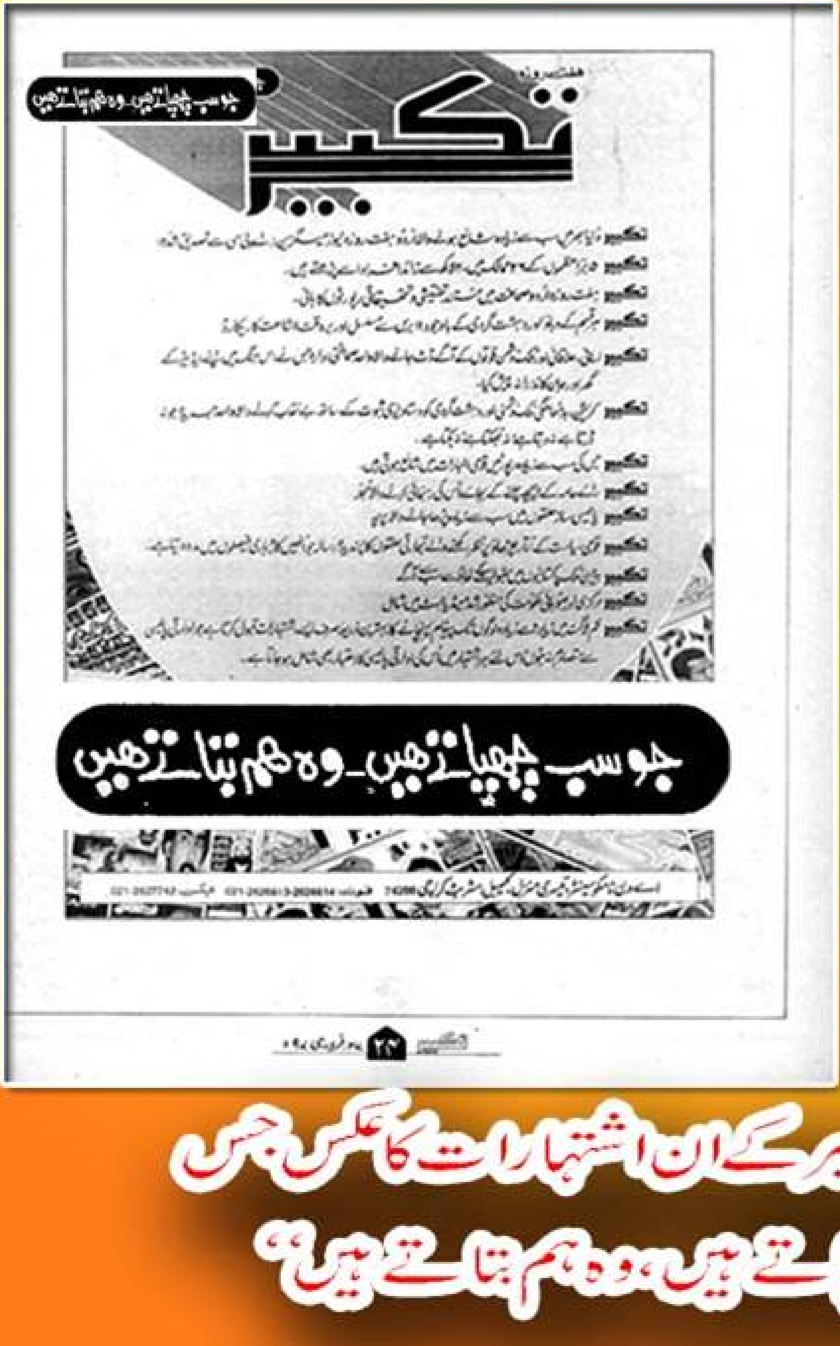

روزنامہ اُمت اور ہفت روزہ تکبیر کے ان اشتہارات کا عکس جس میں یہ دعویٰ ہے کہ "جو سب چھپاتے ہیں، وہ ہم بتاتے ہیں"

خاندانی پس منظر۔ ۱۹۳۵ء تا ۴۷ء

محمد صلاح الدین ۵ جنوری ۱۹۳۵ء کو میرٹھ میں پیدا ہوائے۔ ان کا والد کا نام محمد شہاب الدین والدہ کا نام رابعہ تھا۔ وہ باپردہ خاتون خانہ تھیں محمد صلاح الدین کا نام محلے کی مسجد کے پیش امام نے تجویز کیا جو ایک جید عالم دین تھے۔ محمد صلاح الدین کے والد محمد شہاب الدین اگرچہ بذات خود تعلیم یافتہ انسان نہ تھے۔ لیکن ان کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ قیام پاکستان کے وقت ان کا خاندان احمد آباد میں تھا۔ یہ زمانہ اس خاندان کے لئے بہت مشکل و مصائب میں گزرا۔ میرٹھ سے پیلی بھیت اور کبھی احمد آباد منتقلی کے سبب محمد صلاح الدین کی پرائمری تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ محمد صلاح الدین کے ماموں محمد اسحٰق کا بیان ہے کہ یہ پیلی بھیت کا واقعہ ہے اُس وقت صلاح الدین کی عمر چار سال کی ہوگی۔ ایک پنڈت آیا اس نے دروازے پر آواز دی ہماری ہمشیرہ نے اس سے کہا کہ ذرا اس بچے کا ہاتھ دیکھنا! اس پنڈت نے محمد صلاح الدین کا ہاتھ دیکھا۔ سوا پانچ آنے پیسے لیے اور کہا اس بچے کو خوب پڑھانا لکھانا۔ یہ دنیا میں گھومے گا۔ بڑا نام پیدا کرے گا۔ یہ بڑا قابل آدمی ہوگا۔ جب پنڈت نے پیشنگوئی کی تھی تو سب نے یہی محسوس کیا کہ اس بچے کو پڑھایا جائے لیکن یہ یقین کسی میں نہیں تھا کہ صلاح الدین حقیقت میں دنیا میں نام کمائے گا۔

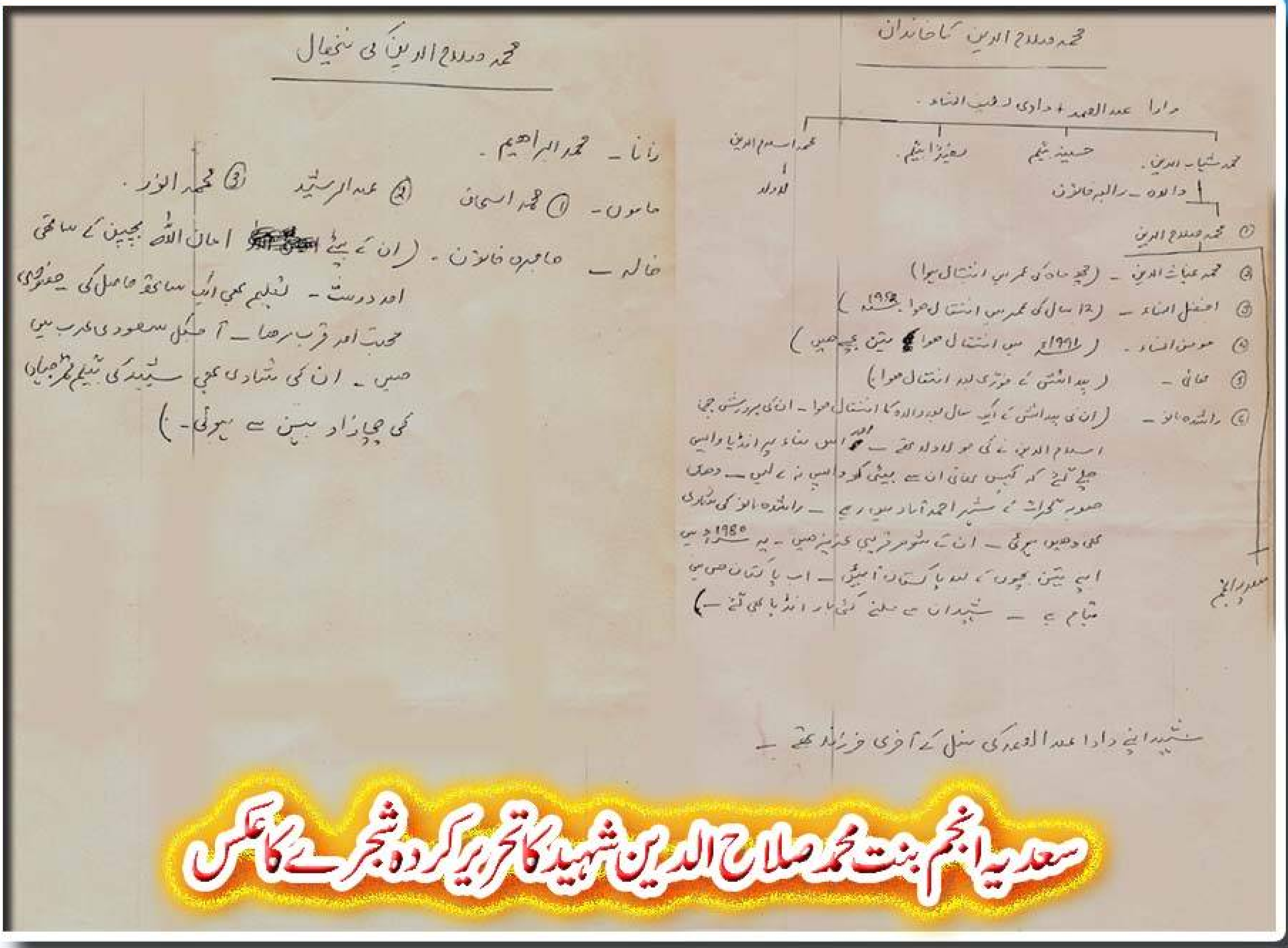

محمد صلاح الدین کا خاندان

دادا عبدالحمید، دادی زینب النساء۔

محمد اسلام الدین (لاولد) — سعیدہ بیگم — حسینہ بیگم — محمد شہاب الدین۔

والدہ — زاہدہ خاتون

(۱) محمد صلاح الدین

(۲) محمد غیاث الدین — (چھ ماہ کی عمر میں انتقال ہوا)

(۳) افضل النساء — (۱۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا ۱۹۵۲ء)

(۴) مومن النساء — (۱۹۹۱ء میں انتقال ہوا، تین بچے ہیں)

(۵) ثانی — (پیدائش کے تھوڑی دیر بعد انتقال ہوا)

(۶) راشدہ بانو — (ان کی پیدائش کے ایک سال بعد والدہ کا انتقال ہوا۔ ان کی پرورش چچا اسلام الدین نے کی جو لاولد تھے۔ چچا اس شادی پر انڈیا واپس چلے گئے کہ کہیں بھائی ان سے بیٹی کو واپس نہ لے لیں۔ وہاں صوبہ گجرات کے شہر احمد آباد میں رہے۔ راشدہ بانو کی شادی بھی وہیں ہوئی۔ ان کے شوہر قریبی عزیز ہیں۔ یہ ۱۹۸۰ء میں اپنے تین بچوں کے ساتھ پاکستان آ گئیں۔ اب پاکستان میں ہی مقیم ہیں۔ شہید ان سے ملنے کئی بار انڈیا بھی گئے۔)

سعدیہ انجم

شہید اپنے دادا عبدالحمید کی نسل کے آخری فرزند تھے۔

محمد صلاح الدین کی ننھیال

نانا — محمد ابراہیم۔

ماموں — (۱) محمد اسحاق (۲) عبدالرشید (۳) محمد انور۔

خالہ — ماجدہ خاتون۔ (ان کے بیٹے [illegible] احسان اللہ بچپن کے ساتھی اور دوست۔ تعلیم بھی ایک ساتھ حاصل کی۔ چھوٹی محبت اور قرب رہا۔ آج کل سعودی عرب میں ہیں۔ ان کی شادی بھی شہید کی بیگم طاہرہ جہاں کی چچا زاد بہن سے ہوئی۔)

سعدیہ انجم بنت محمد صلاح الدین شہید کا تحریر کردہ شجرے کا عکس

محمد صلاح الدین کو بھی بچپن سے لکھنے پڑھنے سے دلی رغبت تھی۔ وہ رات دیر تک اپنے والد سے تاریخی ناول سنتے۔ جب خود پڑھنا سیکھ گئے تو یہ شوق مزید بڑھ گیا۔ انہوں نے بچپن میں کسی چیز کی ضد نہیں کی جو مل گیا کھالیا۔ جو پہنایا پہن لیا بہت سادہ اور خاموش طبیعت تھی مگر بلا کے صفائی اور نفاست پسند۔ ان کی والدہ کی ہر لمحے یہ خواہش رہتی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ جائے۔ صلاح الدین کو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ تحریک پاکستان کے وقت ان کا گھرانہ احمد آباد میں تھا۔ اس وقت یہ سارا گھرانہ مسلم لیگی تھا۔ صلاح الدین کے والد مسلم لیگی تھے۔ جلسے جلوس میں جاتے کارکن کی حیثیت سے کام کرتے اس زمانے میں ایک اخبار آتا تھا۔ المدینہ بجنور، وہ بڑے شوق سے پڑھتے ہفت روزہ کا مریڈ سے صلاح الدین میں سیاسی شعور کا آغاز ہوا۔ آٹھ سال کی عمر میں وہ اخبار ناول رسالے پڑھ لیا کرتے تھے۔ لیکن مڈل کے بعد ان کی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ کچھ گھریلو حالات بھی موافق نہیں تھے لہذا ایک عزیز دندان ساز ڈاکٹر عبدالسلام کے کلینک پر انہیں دندان سازی سیکھنے پر لگا دیا گیا اس سے وہ انگریزی بھی پڑھنے لگے۔ لیکن محمد صلاح الدین کا دل اس کام میں نہ لگا ان کی طبیعت سخت مکدر رہتی۔ سو وہ اس کام کو چھوڑ کر عبدالحکیم مرحوم سے گھڑی سازی سیکھنے لگے یہ کام صاف ستھرا تھا مگر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان ہجرت کرنے کے سبب اسے بھی خیر باد کہنا پڑا۔

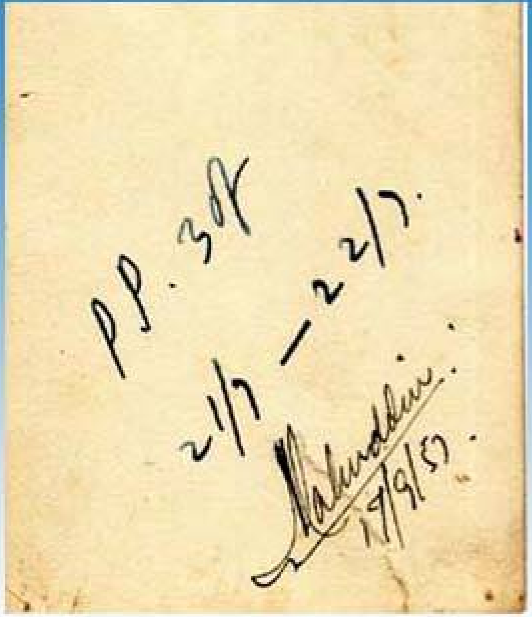

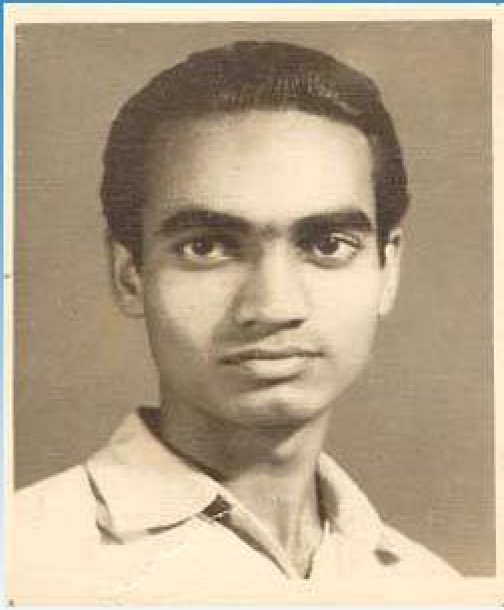

محمد صلاح الدین کے اپنی دستخط شدہ تصویر کا عکس 17/9/57

عملی زندگی کا آغاز۔ ۴۸ء تا ۵۴ء

محمد صلاح الدین کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان آیا تو یہاں رنچھوڑ لائن میں رہنے کے لئے ڈاکٹر عبدالسلام کا فلیٹ مل گیا۔ گھر کی کفالت کے لئے انہوں نے فٹ پاتھ پر چنے اور بچوں کو مٹھائی بیچی۔ یہ سلسلہ ایک سال تک چلا۔ ایک روپے کے ڈھائی سیر چنے مل جاتے جس سے وہ باآسانی چار پانچ روپے کما لیتے۔ ایک سال کے بعد اسی عمارت کی چوتھی منزل پر واقع اپنے فلیٹ کے ایک کمرے میں پان کی دکان کھول لی۔ رنچھوڑ لائن میں فلیٹس کے مکین ان کے مستقل گاہک تھے۔ انہوں نے اپنے قریبی عزیز (جو بعد میں ان کے سسر بنے) کی ورکشاپ چھ ماہ تک لیتھ مشین پر کام کیا۔ اس ورکشاپ میں ہلال موٹر کمپنی کے کچھ کاریگر آتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہاں ڈھلائی کے کام کی انہیں پیشکش کی تو یہ وہاں چلے گئے۔ مگر بھٹی کی تپش کے سبب ڈیڑھ ماہ بعد ہی انہیں بھی خیر باد کہہ دیا۔ میکلوروڈ پر جون تھلیمنگ کمپنی میں ڈینٹنگ پینٹنگ ویلڈنگ کا کام شروع کیا یہاں فارغ وقت میں وہ حصول علم کا شوق پورا کرنے لگے۔ محمد صلاح الدین کا باقاعدہ لکھنے پڑھنے کی طرف رجحان دیکھ کر ان کے ایک عزیز حبیب الرحمٰن نے جو محکمہ انکم ٹیکس میں ملازم تھے۔ انہیں پھر سے باقاعدہ حصول علم تعلیم کی سمت راغب کیا۔ وہ انہیں حقانی چوک پر ماڈل ہائی اسکول لے گئے۔ محمد صلاح الدین آدھے دن جون تھلیمنگ میں کام کرتے اور پھر ماڈل اسکول میں جا کر پڑھتے۔ جہاں ان کا چھٹی جماعت میں داخلہ ہوا تھا۔ دو سال

بعد ہی انہیں رنچھوڑ لائن چھوڑ کر گولیمار کے علاقے میں آنا پڑا۔ اُس وقت یہ سنسان علاقہ تھا یہاں انہوں نے ندی کے کنارے جھگی ڈال کر رہائش اختیار کی ۔ یہ علاقہ اتنا الگ تھلگ تھا کہ گارڈن سے یہاں تک کوئی سواری نہیں آتی تھی ۔ لوگوں کو پیدل آنا ہوتا تھا۔ یہاں کے جھگی نشین گروہ کی صورت میں سفر کرتے تاکہ کوئی لوٹ نہ لے۔ گولیمار میں زیادہ تر مزدور و ملازم پیشہ افراد آباد تھے اس وقت لسبیلہ کا پل نہ بنا تھا۔ بارش ہو جاتی تو بڑی سنگین صورت حال نظر آتی ۔ ادھر کے لوگ اُدھر اور اُدھر کے لوگ ادھر رہ جاتے۔ کچھ لوگوں کا یہ دھندا تھا کہ نہر پار کرانے لئے ندی کے کناروں پر درختوں سے رسہ باندھ دیتے اور ۸ آنے میں ندی پار کراتے۔ اکثر لوگوں کا رسہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور وہ بے بسی سے ندی میں ڈوب کر ہلاک ہو جاتے۔ یہ منظر دیکھ کر محمد صلاح الدین کا دل بھر آتا 1951ء میں پل بن جانے کے بعد اس اذیت ناک سفر اور مناظر سے نجات ملی تو محمد صلاح الدین نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

گولیمار کی رہائش کے سبب انہیں ماڈل اسکول چھوڑنا پڑا اب انہوں نے حسینی ہائی اسکول ناظم آباد میں داخلہ لے لیا۔ یہاں علامہ سید محمد رضی پڑھایا کرتے تھے۔ ایک سال بعد محمد صلاح الدین نے یہ اسکول بھی چھوڑ دیا اور ایم جے وی اسکول میں داخلہ لے لیا اور پھر وہیں سے نویں کا امتحان پاس کیا۔ اس زمانے میں سندھ میں میٹرک دس کے بجائے گیارہ جماعت کا ہوتا تھا۔ لہٰذا ایک سال بچانے کے لئے انہوں نے پنجاب سے پرائیوٹ امیدوار کے طور پر میٹرک کا امتحان دیا۔ محمد صلاح الدین نے امتحان دینے کے لئے پنجاب جانا تھا اس سے صرف ایک روز قبل ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ سانحہ ایسا تھا جس نے ان کی زندگی پر بڑا اثر مرتب

کیا۔ ان کی تعلیم منقطع بھی ہو سکتی تھی مگر انہوں نے سوچا کہ یہ والدہ ہی تھیں جنھوں نے تعلیم یافتہ نہ ہونے کے باوجود قرض لے کر میری تعلیم کے لئے غیر معمولی جستجو اور محنت کی۔ پھر وہ قرض لے کر ریل کا ٹکٹ خرید کر امتحان دینے چلے گئے۔ نتیجہ آیا تو فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوئے گولیمار کے علاقے میں پہلا کیبن محمد صلاح الدین اور ان کے ماموں اختر نے لگایا وہ یہاں سائیکل کی ریپئرنگ کیا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں ہوٹل میٹروپول میں پہلی بار ڈیزل کے چولھے لگے تو محمد صلاح الدین نے اپنے والد کے ساتھ مل کر ان کی فٹنگ کا کام کیا۔ اس زمانے میں ایک حادثہ ایسا ہوا کہ جس نے محمد صلاح الدین کو مزید محنت کے راستے پر لگا دیا ان کے والد کے ہاتھ سے میٹروپول کے ایم پی دستور کی نقد رقم کوئی شخص چھین کر لے گیا۔ اسی طرح کا حادثہ ان کے ایک ماموں کے ساتھ پیش آیا۔ نیو کراچی میں کوارٹرز بن رہے تھے۔ ماموں نے ایک شخص سے مل کر وہاں الاٹمنٹ کی بات کی۔ انہوں نے بہت سے افراد سے ڈھائی ڈھائی سو روپے جمع کیے۔ کچھ لوگوں نے رقم محمد صلاح الدین کی معرفت بھی دی۔ یہ تمام رقم الاٹمنٹ کا جھانسہ دینے والا شخص لے کر بھاگ گیا۔ محمد صلاح الدین نے یہ رقمیں چکانے کے لئے تین ملازمتیں کیں۔ چھ ماہ تک ہندوستان سنٹری وکٹوریہ روڈ کے ہاں سینٹری اور الیکٹرک کا کام کیا۔ پلمبر کی حیثیت سے پہلا کام ایڈیٹر ڈان الطاف حسین کی نئی کوٹھی پر ملا۔

۱۹۵۵ء میں ایک علم دوست کے مشورے پر محمد صلاح الدین نے ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لے لیا۔ جہاں دورانِ تعلیم وظیفہ بھی ملتا تھا۔ ۱۹۵۷ء میں سی ٹی کرنے کے بعد انہیں باقاعدہ ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ ۱۹۵۷ء تعلیمی لحاظ سے ان

کی زندگی کا یادگار سال تھا۔ انہوں نے تین امتحانات ایک ساتھ دیئے۔ انٹر، سی ٹی اور ادیب عالم۔ سی ٹی میں پورے کراچی میں اوّل پوزیشن حاصل کی باقی دو امتحانوں میں سیکنڈ ڈویژن رہی۔ تدریس کا پیشہ ۱۹۴۹ء تک جاری رہا۔ چھ سال گورنمنٹ سیکنڈری اسکول کیماڑی میں پڑھایا، سات سال گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں پڑھایا۔ محمد صلاح الدین نے انٹر اسلامیہ کالج سے اور بی اے ۱۹۶۰ء میں اردو کالج سے کیا۔ یہیں ان کی ملاقات پہلی بار نثار احمد زبیری اور متین الرحمٰن مرتضی سے ہوئی جو بہت جلد دوستی میں بدل گئی۔ اردو کالج میں جمعہ کو چھٹی ہوتی تھی۔ جبکہ سرکاری تعطیل اتوار کو ہوتی تھی۔ اس لیے وہ اتوار کو صبح سے شام تک سب کلاسیں اٹینڈ کرتے۔ اس زمانے میں محمد صلاح الدین کے اساتذہ میں وحید اللہ نظمی، خلیل اللہ، احمد سعید شامل تھے۔ جن سے وہ بہت متاثر تھے۔ ابوالخیر کشفی اردو پڑھاتے تھے۔ جمیل الرحمٰن حورانی بھی ایک استاد تھے۔ آفتاب زبیری اور سلیمانی صاحب انگریزی کے استاد تھے۔ نثار احمد زبیری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بہت دنوں بعد صلاح الدین سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ جب ان سے پوچھا تو کہنے لگے۔ ’’ہم چار دوستوں نے مل کر داڑھی رکھنے کا سوچا تھا ان میں سے تین رکھ چکے ہیں چوتھا میں ہوں‘‘۔

نعیم عارفی سے بھی محمد صلاح الدین کی پہلی ملاقات ۱۹۵۸ء میں اردو کالج میں ہوئی جہاں وہ اور یہ بی اے سال اول کے طالب علم تھے۔ نعیم عارفی ان دنوں نیوی میں ملازم تھے۔ ان کی تعلیم بھی محمد صلاح الدین کی طرح خود آموز کے اصولوں پر تھی۔ ابتداء میں یہ ملاقات بہت سرسری اور ابتدائی تعارف پر مبنی رہی۔ نعیم عارفی سے ان کی باقاعدہ دوستی کا آغاز ٹریننگ کالج سے ہوا۔ تدریس میں وہ

محمد صلاح الدین داڑھی کے ساتھ

محمد صلاح الدین داڑھی کے بغیر

دونوں ہم پیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے۔لہٰذا انسٹی ٹیوٹ میں یہ دونوں ۱۹۶۹ء تک اکٹھے رہے اور یہ جوڑی یک جان دو قالب کے مشہور ہونے لگی۔ ۱۹۶۹ء میں نعیم عارفی ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ طائف سعودی عرب چلے گئے۔ ۱۹۶۰ء ہی محمد صلاح الدین کی شادی کا سال ہے۔لیکن شادی کے بعد روایتی طور پر کوئی پر آسائش زندگی کا آغاز نہیں ہوا بلکہ مصائب ومشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ دو بہنوں کی شادی کی ذمہ داری والد اور ماموں کا قرضہ، جھگی کو پختہ کوارٹر میں تبدیل کرانا۔ یہ وہ اہم کام تھے جس کے لئے انہیں تین تین ملازمتیں کرنا پڑیں۔لیکن تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ یونیورسٹی میں سوشیالوجی میں داخلہ لیا تو صبح پہلے یونیورسٹی جاتے پھر دوپہر میں کیماڑی کے اسکول پڑھانے جاتے۔ گولیمار سے کیماڑی تک کا فاصلہ سائیکل پر ۴۰ منٹ میں طے ہوتا۔ بیماری کے سبب جب وہ سوشیالوجی کا امتحان نہ دے سکے تو اسے چھوڑ کر بی ایڈ میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۶۲ء میں انہیں ٹیچرز ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں تدریس کی ذمہ داری مل گئی۔ صبح ۸ بجے سے ۲ بجے تک یہاں پڑھاتے پھر ڈھائی بجے سے ۵ بجے تک باغِ ہالا سیکنڈری اسکول اور مسلم پاپولر انسٹی ٹیوٹ میں پڑھانے چلے جاتے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گھریلو مسائل کی بنا پر محمد صلاح الدین کو مالی مشکلات کا سامنا تھا۔ ان کے دوست نثار احمد زبیری جوان دنوں روزنامہ حریت سے وابستہ تھے ایک دن انہوں نے محمد صلاح الدین سے کہا کہ ہمارے اخبار حریت کے سب ایڈیٹر مولانا ظفر احمد انصاری کے صاحبزادے ظفر آفاق کو وظیفہ ملا ہے اور وہ امریکہ چلے گئے ہیں۔ ان کی جگہ خالی ہوگئی ہے اگر آپ چاہیں تو آکر انٹرویو دے دیں یہاں پہلے دس دن آزمائش طور پر رکھتے ہیں اگر کسی

کے کام سے مطمئن ہو جائیں تو دسویں روز اسے بتا دیتے ہیں کہ تمہیں رکھ لیا گیا ہے۔ محمد صلاح الدین نے فوراً ہامی بھر لی

صحافت کا دورِ اوّل ۵۷ تا ۶۹ء

وہ حریت کے دفتر گئے تو حریت کے مالک فخر ماتری نے انہیں ڈان کا اداریہ ترجمہ کرنے کے لئے دیا جو کہ کراچی کے فسادات کے بارے میں تھا۔ اگلے دن فخر ماتری نے محمد صلاح الدین کو ملازمت پر رکھ لیا یوں ان کی باقاعدہ صحافتی زندگی کا آغاز حریت سے ہوا۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے جب انہیں حریت میں نائٹ شفٹ میں سب ایڈیٹر کی ملازمت ملی۔ شادی کے دو سال بعد ۴ دسمبر ۱۹۶۲ء کو وہ ایک بیٹی کے باپ بن گئے۔ محمد صلاح الدین نے اپنی بیٹی کا نام اپنی اہلیہ قمر جہاں کی مناسبت سے سعدیہ انجم رکھا۔ محمد صلاح الدین اپنی شادی کے بعد جتنے خوش اور مطمئن دکھائی دیتے تھے بیٹی کی پیدائش کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ خوش نظر آنے لگے تھے۔

شام کو اسکول میں پڑھانے کے بعد وہ اخبار کے دفتر میں چلے جاتے۔ جہاں سے عموماً تین بجے رات چھٹی ملتی ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۸ء تک کے عرصہ میں ان کی اکثر راتیں ایسی گزریں جب انہوں نے اخبار کے دفتر واقع نیو چالی سے پیدل برنس روڈ آ کر فجر کی نماز پڑھی اور فجر کے بعد جب بسیں چلنے لگیں تو گھر آ کر ناشتہ کر لیا اور پھر بغیر ایک لمحہ آرام کیے انسٹی ٹیوٹ پڑھانے کے لئے چلے گئے ۱۹۶۶ء میں کراچی میں بہت بارشیں ہوئیں۔ محمد صلاح الدین بارش ہی میں صدر ڈینسو ہال سے گھوڑا گاڑی میں نیو چالی حریت

کے دفتر پہنچے تو دیکھا کہ دفتر میں بالکل سناٹا ہے۔ چپڑاسی تھے نہ نیوز کے آدمی، ایڈیٹر تھے نہ سب ایڈیٹر صرف دو تین کاتب تھے۔ وہ بھی اس لئے رہ گئے تھے کہ بارش کی وجہ سے وہ گھر نہیں جا سکے تھے۔ یہ صلاح الدین کی صحافتی زندگی کا پہلا تجربہ تھا اور ان کے لیے چیلنج بھی انہوں نے سوچا کہ اخبار کا ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔ سارے کام انہوں نے تنہا کرنے کا فیصلہ کیا یعنی خبروں کا ترجمہ پروف ریڈنگ، سرخیاں، کاپی پیسٹنگ یہ کم از کم دس آدمی کا کام تھا جسے انہوں نے تنہا کیا۔ ٹیلی پرنٹر اس جگہ رکھا تھا جہاں پانی مسلسل گر رہا تھا۔ اس سے خبریں حاصل کرنا ممکن نہ تھا اور بغیر خبروں کے اخبار کیسے نکلتا لہٰذا وہ بار بار دوزینے اتر کر "لیڈر" کے دفتر جاتے، خبریں نکالتے ترجمہ کرتے اور کتابت کے لئے دیتے۔ الغرض دوسری صبح کا سورج نکلا تو دوسرے اخبارات کے ساتھ حریت بھی مارکیٹ میں تھا۔ اس کارنامے پر اخبار کے مالک فخر ماتری نے محمد صلاح الدین کو چار اضافی انکریمنٹ کے ساتھ نائٹ شفٹ کا انچارج بنا دیا۔ ۱۹۶۳ء سے ۶۸ء تک حریت میں ان کی ملازمت جز وقتی رہی، اس وقت کے ڈائرکٹر ایجوکیشن کو پتہ چلا کہ محمد صلاح الدین اخبار میں بھی کام کرتا ہے تو اس نے انہیں طلب کر کے کچھ باز پرس کی اور پھر اپنی تقریریں لکھنے کا کام بھی محمد صلاح الدین کو سونپ دیا۔ سرکاری ملازمت کے باوجود اپنی نجی ملازمتوں کو جاری رکھنے کے لیے یہ بیگار تو انہیں دینا ہی تھی۔ مگر جب انہوں نے یہ سرکاری ملازمت چھوڑی تو سول سرجن ڈاکٹر رندھاوا مرحوم کو محض ۵۰۰ روپے رشوت نہ دینے کے سبب پنشن اور ۱۱ ہزار روپے کی گریجویٹی سے ہاتھ دھونا پڑے یہی نہیں بلکہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں ناظم آباد کی زمین تین روپے گز ملا کرتی تھی اور سرکاری ملازمین کو ۲۴ ماہ کی

ایڈوانس تنخواہ ملتی تھی تا کہ وہ مکان بنالیں۔ اس رقم پر سود لگتا تھا۔لہٰذا محمد صلاح الدین نہ زمین لے سکے اور نہ مکان بنانے کے لئے سودی قرضہ۔ پھر ۱۹۶۹ء میں مستعفی ہونے کے بعد انہیں پروویڈنٹ فنڈ کی جو رقم ملی وہ انہوں نے اپنی دادی اور والد کو حج پر بھیجنے پر خرچ کی۔ اس طرح ۱۹۷۰ء میں ۱۰۲ سال کی عمر میں محمد صلاح الدین کی دادی نے حج کیا اور ۱۱۰ سال کی عمر میں انکا انتقال ہوا۔محمد صلاح الدین کے والد محمد شہاب الدین نے اپنی ضعیف والدہ اور ۹۰ سالہ خالہ کو پیٹھ پر لاد کر حج کرایا۔تمام مناسک حج ادا کروائے۔ واپس آکر انہوں نے اپنے بیٹے محمد صلاح الدین سے کہا "میں تو حرمین کے درو دیوار بھی نظر بھر کر نہ دیکھ سکا خدا جانے میرا حج ہوا یا نہیں۔ خدا گنجائش دے تو ایک حج کی مزید تمنا ہے"۔ محمد صلاح الدین کے دل میں باپ کی یہ آرزو خواہش بن گئی کہ وہ پھر جلد اپنے والد کو حج پر بھیجیں۔محمد صلاح الدین نے ۱۹۶۷ء میں سیاسیات میں پرائیویٹ ایم اے کیا۔ ۱۹۶۸ء میں ایل ایل بی سالِ اول پاس کیا مگر ۱۹۶۹ء میں جسارت ملتان سے وابستگی کے سبب سالِ دوم کا امتحان نہ دے سکے۔ ۱۹۶۹ء میں جب انہوں نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر الطاف حسن قریشی کی خواہش پر جسارت، ملتان میں ملازمت اختیار کی۔ وہ ان کے صحافتی کیریئر کا باقاعدہ آغاز تھا۔ ۱۹۶۹ء میں اخباری صنعت کی مشہور ہڑتال کے وقت جسارت ملتان بند نہیں ہوا تھا۔اس وقت محمد صلاح الدین حریت کے حوالے سے کے یو جے کے جوائنٹ سیکریٹری تھے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ہڑتالی جلوس جسارت دفتر کی طرف آرہا ہے تو وہ کام چھوڑ کر دفتر سے باہر نکل آئے اور جلوس کا استقبال کرتے ہوئے ایک اسٹول پر چڑھ کر آزادی صحافت کی حمایت میں نعرے لگانے لگے

تقریب نمائش کتب
لائبریرین عصمت سعیدی جناب محمد صلاح الدین صاحب کو ایک قلمی
نسخہ گلستان مسرت ۱۸۷۵ء دیکھا رہے ہیں ۱۵ جون ۱۹۷۹ء

اور ہڑتالی کارکنوں سے کہا کہ ”یونین کے فیصلوں کی پابندی صرف اس کے ممبران پر عائد ہوتی ہے چونکہ جسارت میں صرف میں ہی آپ کا ممبر ہوں لہٰذا میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ لیکن جو لوگ آپ کے ممبر نہیں انہیں کام کرنے دیجئے ان پر آپ کی پابندی لازمی نہیں“۔ محمد صلاح الدین کی اس معاملہ فہمی نے جسارت پر ہنگامہ آرائی کے خدشے کو ٹال دیا۔ جسارت ملتان میں دس دن کام کرنے کے بعد وہ کراچی چلے آئے۔ یہاں یکم اپریل ۱۹۶۹ء سے جسارت کراچی میں ان کا تقرر ہوا اور یہ پہلا تقرر تھا بقیہ تمام لوگوں کے تقرر یکم مئی سے ہوئے اور جسارت کراچی کا پہلا پرچہ ۲۱ مئی ۱۹۶۹ء کو نکلا۔ روزنامہ جسارت محمد صلاح الدین کی زندگی کے ایک ایسے دور کا آغاز تھا جس میں انہیں قید و بند کی کڑی آزمائشوں کے ساتھ عزت و شہرت کی بلندی بھی میسر آئی۔

صحافت کا دورِ ثانی ۷۰ء تا ۸۴ء

بھٹو کے اقتدار میں آنے سے صرف دس دن قبل یعنی ۱۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو محمد صلاح الدین نے ایڈیٹر کی ذمہ داری سنبھالی ان سے قبل بالترتیب الطاف حسن قریشی، نیر علوی اور عبد الکریم عابد یہ ذمہ داریاں ادا کر چکے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو برسر اقتدار آنے سے قبل کھلے عام تین اداروں کو فکس اپ کرنے کی دھمکیاں دیتے رہے تھے۔ اُردو ڈائجسٹ، پی پی آئی اور جسارت، پی پی آئی کے معظم علی تو بھٹو حکومت سے پہلے لندن چلے گئے۔ لیکن جسارت اور اردو ڈائجسٹ کے مدیروں کو گرفتار کرنے کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آخر وقت تک جاری رہا۔ بھٹو نے برسر اقتدار آتے ہی جسارت، کے خلاف جو اقدامات کیے۔ ان میں نیوز پرنٹ کا کوٹہ پہلے کم کیا گیا پھر یکسر ختم

محمد صلاح الدین شہید روزنامہ جسارت کے پبلیشر
حکیم سید ذاکر علی، صاحبزادی سعدیہ انجم کے ساتھ سٹی کورٹ کے باہر

کر دیا گیا۔ جسارت کی طباعت مشرف پریس میں ہوتی تھی۔ اسے بند کرایا گیا۔ کچھ عرصہ پرچہ ن میں چھپا پھر ہیرالڈ پریس میں چھپتا رہا۔ جسارت کے دفتر پر پیپلز گارڈ سے حملہ کرایا گیا۔ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ارکان پر انکم ٹیکس کے مقدمات بنوائے گئے۔ جن میں ثناء اللہ کے نقی نواب اور ٹپ ٹاپ کے فضل مبین شامل تھے۔ غیر سرکاری اشتہارات روکنے کے لئے تاجروں کو ڈرایا دھمکایا گیا۔ جبکہ سرکاری اشتہارات کلیتاً بند تھے۔ ان نامسائد حالات میں بھی محمد صلاح الدین ایک ایڈیٹر کی حیثیت سے بہت کامیابی سے جسارت کو چلاتے رہے۔ بھٹو حکومت کے دور میں محمد صلاح الدین ۶۱۶ دن قید میں رہے۔ ان پر کل ۴۲ مقدمات قائم ہوئے۔ ان کی پہلی گرفتاری ۳ مارچ ۱۹۷۳ء کو ہوئی۔ (محمد صلاح الدین کی دور اسیری کی روداد تفصیل طلب اور ایک علیحدہ موضوع ہے اسی لیے ہم نے ایسے ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جو ابھی زیر طبع ہے)۔

۴ جولائی ۱۹۷۴ء کو جب بھٹو حکومت نے جسارت اخبار کو مکمل طور پر بند کر دیا تو ۲۰ اگست ۱۹۷۴ء کو محمد صلاح الدین کی جیل سے رہائی کے بعد سخت معاشی پریشانیوں کے دور کا آغاز ہوا۔ انہوں نے لکھنے پڑھنے کے کام پر توجہ دی اور آئندہ کے لئے ملازمت کے بجائے اسے ہی حصول رزق کا ذریعہ بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے اپنی کتاب ”بنیادی حقوق“ پر کام شروع کر دیا۔ دسمبر ۷۴ء ہی میں اللہ نے انہیں حج کی سعادت نصیب کی۔ ۱۹۷۵ء کا سال محمد صلاح الدین نے اپنی کتاب پر کام کرتے ہوئے گوشۂ تنہائی میں گزارا۔ ۱۹۷۶ء کے وسط میں جماعت اسلامی نے فحاشی کے خلاف مہم شروع کی تو علاقہ گولیمار کے ناظم شیخ محمد حسین نے انہیں ایک

محمد صلاح الدین شہید اپنے والد شہاب الدین اور اپنی
صاحبزادی سعدیہ انجم کے ساتھ سٹی کورٹ کی کینٹین میں

اجتماع میں تقریر کے لئے بلایا۔ محمد صلاح الدین کو قدرت نے قلم کی صلاحیت کے ساتھ زور بیان و تقریر فن کی دولت سے بھی نوازا تھا۔ یہ اجتماع ۲۷ جون ۷۶ء کو محمد یوسف کے گھر ہوا۔ شیخ محمد حسین کے افتتاحی خطاب کے بعد محمد صلاح الدین نے تقریر کی اور ضمناً ایک فرانسیسی اخبار کے حوالے سے بے نظیر کا ذکر کیا۔ اس زمانے سے ہی محمد صلاح الدین کے پیچھے ایجنسیوں نے اپنا جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ انٹلی جنس نے آگے یہ رپورٹ کر دی کہ بے نظیر اور نصرت بھٹو کو اس اجتماع میں گالیاں دی گئی ہیں۔ دوسری صبح ہی محمد صلاح الدین، شیخ محمد حسین اور محمد یوسف کو گرفتار کر لیا گیا۔ محمد صلاح الدین کی یہ قید ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء تک جاری رہی۔ انتخابات اور قومی اتحاد کی تحریک کا پر آشوب دور انہوں نے جیل میں گزارا۔ ۱۹۷۷ء کے انتخابات سے قبل قومی اتحاد نے جب امیدواروں کے بارے میں فارمولا وضع کیا تو مختلف پارٹیوں کو کوٹہ دینے کے ساتھ ساتھ ملک بھر سے بھی اٹھارہ ایسے افرد کو قومی اسمبلی کا مشترکہ امیدوار نامزد کیا جو جیلوں میں تھے۔ ان اٹھارہ افراد میں محمد صلاح الدین کا نام بھی تھا۔ پروفیسر غفور جب کاغذات نامزدگی پر دستخط کرانے ان کے پاس جیل میں آئے تو انہوں نے پروفیسر غفور سے کہا۔ ''اگر میں قومی اسمبلی کا ممبر ہوا تو مجھے پھر صحافت چھوڑنا ہوگی کیونکہ صحافت اور عملی سیاست ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے''۔ اس پر پروفیسر غفور نے کہا ''یہ پی این اے کا فیصلہ ہے بہتر ہے کہ آپ ہی متبادل نام دیں''۔ محمد صلاح الدین نے ایک دن کا وقت مانگا پھر چوہدری ظہور الٰہی کے ذریعہ اسپتال میں پیغام بھیجا کہ میری جگہ سید منور حسن کو ٹکٹ دیا جائے۔ اس وقت تک منور حسن کا نام صوبائی اسمبلی کے امیدواروں میں تھا مگر ان کے کہنے پر انہیں قومی اسمبلی کا ٹکٹ

دیا گیا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو رہائی کے بعد مولانا مودودی کی خواہش پر محمد صلاح الدین نے ایک بار پھر جسارت کی اشاعت نو پر اس کی ادارت سنبھال لی ۔ ۲ ستمبر ۱۹۷۷ء سے جسارت کراچی شائع ہونا شروع ہو گیا۔ لیکن ستمبر ۱۹۷۹ء میں مولانا مودودی کے انتقال کے بعد جماعت اسلامی کے اندر و باہر اہم قومی مسائل پر انفرادی و اجتماعی سطح پر اختلافی آراء رکھنے والوں کے ساتھ معاندانہ رویہ دکھائی دینے لگا۔ یہیں سے جسارت اخبار کی ادارتی ذمہ داریوں کے حوالے سے محمد صلاح الدین اور جماعت اسلامی کے نظم سے اختلافات و کشمکش کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔ جماعت اسلامی کراچی کے نظم کا کل نظم جماعت سے علیحدہ نقطہ نظر سامنے آنے لگا۔ بالخصوص ایم آر ڈی سے جماعت کے تعلق اور جنرل ضیاء الحق کے حوالے سے جماعت کے اراکین دو آراء میں تقسیم ہوتے واضح دکھائی دینے لگے۔ جسارت دنیا بھر میں جماعت اسلامی پاکستان کا ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ محمد صلاح الدین کی خواہش تھی کہ وہ تحریک اسلامی کی اس امانت کا دیانت داری سے تحفظ کریں اور اسے مرکز جماعت کی پالیسی سے ہم آہنگ رکھیں اور اس پالیسی سے اختلاف رکھنے والے افراد کی ذاتی آراء کو اخبار کی پالیسی پر اثر انداز نہ ہونے دیں لیکن بدقسمتی سے ان کا تعلق ہر وقت اپنے منتظم اعلیٰ محمود اعظم فاروقی سے تھا جن کی اپنی ایک علیحدہ سوچ تھی۔ اسی زمانے میں محمد صلاح الدین نے "پیپلز پارٹی مقاصد اور حکمت عملی کے نام سے مضامین کا سلسلہ شروع کیا اس پر جماعت کی ساری قیادت، ملکی اور غیر ملکی ارکان نے انہیں زبردست، مبارک بادی کے خطوط لکھے، فون کیے۔ مگر جب تک مضمون چھپتا رہا جسارت کے منتظم اعلیٰ محمود اعظم فاروقی اس قدر خفا رہے کہ دفتر آنے کے باوجود محمد صلاح

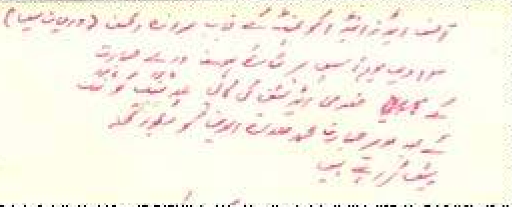

محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ کیپشن

الدین سے ہمکلام نہ ہوئے اور پھر تحریری صورت میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ جس سے کشمکش، محاذ آرائی والی صورتحال جنم لینے لگی اس صورت سے بچنے کے لئے محمد صلاح الدین نے تجویز پیش کی کہ وہ مرکزی سطح پر جسارت کے لئے ایک ادارتی کمیٹی بنا دی جائے اور مجھے یہ سہولت دی جائے کہ اگر کسی مسئلہ پر میرے اور منتظم اعلیٰ کے درمیان اختلاف رائے ہو تو میں کمیٹی کے کسی بھی رکن سے رجوع کر سکوں اور پھر ان کی رائے کے مطابق اپنی ذمہ داریاں ادا کروں۔ طویل گفت وشنید کے بعد جو کمیٹی تشکیل دی گئی وہ چھ ارکان پر مشتمل تھی ان میں قاضی حسین احمد، چوہدری رحمت الٰہی، پروفیسر خورشید احمد، پروفیسر غفور احمد، مولانا عباسی اور خود جسارت کے منتظم اعلیٰ محمود اعظم فاروقی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے جو لائحہ عمل مرتب کیا اس کا ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ اگر مدیر اور منتظم اعلیٰ کے درمیان کسی فیصلے پر اختلاف رائے ہوگا تو پہلے مدیر منتظم اعلیٰ کی ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔ اس کے بعد مدیر کمیٹی سے رجوع کرے گا۔ اس پر محمد صلاح الدین کا جواب تھا کہ اختلاف رائے ہمیشہ اداریے پر ہوتا ہے اگر منتظم اعلیٰ کی ہدایت پر اداریہ لکھ کر شائع کر دیا جائے تو پھر کمیٹی سے رجوع کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جائے گی۔ یہ شرط تو ایسی ہی ہے کہ جیسے کوئی ماتحت عدالت کسی ملزم کو پھانسی کی سزا دے دے اور یہ شرط عائد کر دے کہ پہلے پھانسی کے فیصلے پر عمل ہوگا پھر ملزم عدالت عالیہ سے رجوع کرنا چاہے تو کرے۔ محمد صلاح الدین نے جماعت کے قائدین سے اپنے اس سوال کا جواب حاصل کرنا چاہا لیکن اس سوال کا جواب سات ماہ یعنی ان کی سبکدوشی تک جماعت سے نہ مل سکا۔ یہی وہ اختلاف تھا جو محمد صلاح الدین کی جسارت سے علیحدگی کی بنیاد بنا۔ محمد صلاح الدین کی جسارت سبکدوشی کے

آخری زمانے یعنی ۱۰ دسمبر ۸۳ء کو ترکی میں انتخابات کے عنوان سے ایک اداریہ چھپا جس کے آخری حصے میں پاکستان کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات کہی گئی تھی کہ "ہمارے ملک میں بحالی جمہوریت کی راہ میں جہاں فوج ایک بڑی رکاوٹ ہے وہیں ہماری سیاسی جماعتوں کا رویہ بھی اس کی راہ میں حائل ہے"۔ یہ اداریہ۔ محمد صلاح الدین کے دوست اور جسارت کے اداریہ نویس متین الرحمٰن مرتضی نے لکھا جس پر منتظم اعلیٰ محمود اعظم فاروقی سخت خفا ہوئے اور حکم دیا کہ فوراً دوسرا اداریہ لکھا جائے جس میں سیاست دانوں کو بری الذمہ ٹھہرا کر صرف فوج پر جمہوریت کی راہ روکنے کی ذمہ داری عائد کی جائے۔ لیکن متین الرحمٰن مرتضی نے دوسرا ایسا اداریہ لکھنے سے انکار کر دیا جس میں مذکورہ اداریے کی تردید ہوتی ہو ان کا کہنا تھا کہ میں ایڈیٹر کے ماتحت ہوں آپ ان سے کہیں کہ وہ مجھ سے کہیں وہ جو بھی فیصلہ کرینگے میں وہی کروں گا۔ محمود اعظم فاروقی کا کہنا تھا کہ میں ایڈیٹر سے اوپر ہوں اور آپ کو حکم دے سکتا ہوں لیکن متین الرحمٰن نے انکار کر دیا۔ اس پر بات بہت بڑھ گئی۔ منتظم اعلیٰ محمود اعظم فاروقی نے متین الرحمٰن مرتضی کو تحریری صورت میں آگاہ کیا کہ آپ نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے۔ اگر ایک ماہ کی مدت میں معافی نہ مانگی گئی تو خود کو ادارے سے علیحدہ کر لیں۔ اس ایک ماہ کی مدت میں محمد صلاح الدین اور محمود اعظم فاروقی کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی۔ محمد صلاح الدین نے جماعت کے ناظم کے سامنے یہ بات رکھی کہ اگر متین الرحمٰن مرتضی جسارت سے علیحدہ ہوئے تو وہ بھی جسارت سے علیحدگی اختیار کر لیں گے۔ جماعت کے مرکزی ناظم تک یہ بات پہنچی محمد صلاح الدین منصورہ بلوائے گئے لیکن وہاں پر ہونے والی گفتگو پر بھی دونوں فریقین اپنے اپنے موقف پر ڈٹے

رہے۔محمود اعظم فاروقی متین الرحمٰن مرتضی کے خلاف نوٹس واپس لینے کو تیار نہ تھے۔اور متین الرحمٰن مرتضی معافی مانگنے کو قطعی تیار نہ تھے۔ایک طرف محمد صلاح الدین کے جسارت سے اختلافات کا سلسلہ جاری تھا۔دوسری جانب انہوں نے ایک ہفت روزہ تکبیر کی ڈیکلریشن لے رکھی تھی جس کی ڈمی کئی سال سے چھپ رہی تھی۔تکبیر کے حوالے سے دو تین میٹنگ میں انہوں نے اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی اس میں شامل کیا جسے نثار احمد زبیری جن کا بیان ہے کہ ''تکبیر کے مشورے میں بھی شریک رہا انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تکبیر کیسا نام ہے؟ میں نے فوراً کہا کہ بہت عمدہ نام ہے لیکن میں نے ان سے پوچھا کہ جسارت کے اندر رہتے ہوئے کیسے کروگے۔اس وقت شاید آپس کی وہ چپقلش شروع ہو چکی تھی۔شاید اسی بناء پر انہوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اپنا الگ پرچہ نکال لیں۔(بحوالہ انٹرویو نثار احمد زبیری) دراصل جولائی ۱۹۷۷ء میں جیل سے رہائی کے بعد ہی محمد صلاح الدین نے جسارت کے ڈیکلریشن کی بحالی کے ساتھ ہی ایک ہفت روزہ ''تکبیر'' کا ڈیکلریشن بھی حاصل کرلیا تھا۔اس میں ان کے ساتھ نصیر احمد سلیمی اور نصیر احمد سلیمی ہی کی تجویز پر ان کے مشترکہ دوست سید محمد علی (ایم کیو ایم کے مرحوم عظیم احمد طارق کے حقیقی ماموں) نے ایک مشترکہ فرم تکبیر کے نام سے قائم کرلی تھی۔سید محمد علی سے محمد صلاح الدین کی دوستی و محبت کا رشتہ بہت پرانا تھا۔۱۹۵۸ء میں ایوب خاں کے مارشل لا سے قبل ہونے والے بلدیاتی انتخابات ہی ان میں باہمی تعارف کا ذریعہ بنے۔محمد علی اس زمانے میں ان کے ہم محلّہ تھے اور رضویہ سوسائٹی سے متصل آبادی حیدر آباد میں رہا کرتے تھے۔ان کی بہن گولیمار کے مقابل فردوس کالونی میں مقیم تھیں۔سید محمد

علی جماعت کے کارکن کی حیثیت سے سرگرم عمل ہوتے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں روزنامہ حریت سے محمد صلاح الدین کی وابستگی کے بعد یہ دوستی مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ وہ اس زمانے میں ''جرنل آف انڈسٹری اینڈ ٹریڈ کے نام سے ایک پرچہ نکالتے تھے۔ انہیں کے یو جے کے انتخابات میں الیکشن کمشنر بھی بنایا جاتا تھا۔ اس وقت ان کے حلقہ احباب میں نثار احمد زبیری، احمد اسحٰق، محمود احمد مدنی، ظفر اسحٰق، مولانا عبد الغفار، نور العین اور بہت سے دیگر صحافی شامل تھے۔ سید محمد علی ۱۹۶۸ء میں سعودی عرب چلے گئے۔ وہاں جاکر انہوں نے ایڈورٹائزنگ کے شعبہ سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا۔ ۱۹۸۰ء میں سید محمد علی کی تجویز اور کوششوں ہی سے حج کے موقع پر حجاج اکرام کے لئے اردو انگیریزی ودیگر زبانوں میں عرب نیوز والمدینہ کے خصوصی ایڈیشن کے لئے محمد صلاح الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ سعودیہ گئے حج کے موقع پر خصوصی حج ایڈیشن کے لئے سفر کیا۔ اس سفر میں ان کے ساتھ عرفان غازی، متین الرحمٰن مرتضی، ثروت جمال اصمعی، محمد سرور، عبدالسلام سلامی، معین کمالی اور کئی کاتبوں کو حج اور عمرے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔

رنچھوڑ لائن کا فلیٹ چھوڑنے کے بعد محمد صلاح الدین کے والد محمد شہاب الدین نے گولیمار میں جھگی ڈال کر رہائش اختیار کرلی تھی۔ حکومت نے جب ان جھگیوں کی جگہ ۸۰ گز کے پلاٹ الاٹ کیے تو ان کے حصے میں بھی جھگی کی جگہ پلاٹ نے لے لی جس پر عارضی طور پر ٹین اور پلاسٹر کی شیشوں کی چھت ڈال کر وہ رہنے لگے۔ ۱۹۵۰ء سے یہ خاندان یہاں آباد تھا۔ ۱۹۸۲ء میں محمد صلاح الدین کے دوست نعیم عارفی جو اس زمانے میں سعودی عرب میں تھے ان کے ۸۰ گز کے پلاٹ پر مکان کی تعمیر کے

لیے قرض حسنہ کی رقم جمع کرنے کی با قاعدہ مہم چلائی۔ محمد صلاح الدین کے پاس اس وقت کل ۴۰ ہزار روپے تھے۔ اس میں دو منزلہ مکان کہاں سے بنتا۔ کراچی، جدہ، ریاض اور طائف میں نعیم عارفی کی کوششوں سے ان کے اور محمد صلاح الدین کے مشترکہ احباب نے قرض حسنہ دیا۔ نعیم عارفی نے ۵۰ اور ۲۵ ہزار کے دو چیک ارسال کیے۔ یہ ان کی محمد صلاح الدین سے محبت وعقیدت کی ادنا مثال تھی۔

صحافت کا دورِ لاثانی ۸۴ء تا ۹۴ء

۱۰ دسمبر ۸۳ء میں جسارت سے علیحدگی کے بعد محمد صلاح الدین، نصیر احمد سلیمی اور سید محمد علی کی شراکت سے تکبیر پبلیکیشنز کے نام سے مشترکہ فرم قائم کی گئی اور تکبیر کی باقاعدہ اشاعت کا آغاز اسی مشترکہ فرم کے تحت ہوا۔ تکبیر کا پہلا پرچہ ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء کو شائع ہوا۔ اس کا دفتر رابطہ ۱۰۶ اے بلاک نمبر ۲ خالد بن ولید روڈ پی ای سی ایچ سوسائٹی میں بنایا گیا۔ سید محمد علی نے یہ کہہ کر کہ میں جدہ میں بیٹھ کر کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ جلد ہی علیحدگی اختیار کر لی۔ محمد صلاح الدین اور نصیر سلیمی کے درمیان بھی اختلاف کا سلسلہ شروع ہونے لگا۔ یکم جنوری ۱۹۸۴ء کو قائم ہونے والی یہ فرم اگست ۱۹۸۵ء میں تحلیل ہوگئی اور ہفت روزہ تکبیر کی اشاعت تکبیر پبلیکشنز کے بجائے، محمد صلاح الدین کے ذاتی انتظامات کے تحت شروع ہونے لگی۔ تکبیر پبلیکشنز کی شراکتی فرم میں درحقیقت تنازعہ صرف محمد صلاح الدین اور نصیر سلیمی کے درمیان تھا۔ سید محمد علی تو پہلے ہی اس فرم سے علیحدہ ہو چکے تھے۔ مشترکہ فرم کی تحلیل کی صورت میں محمد

صلاح الدین کو لاکھوں کے خسارے کا بار منتقل ہوا، بعد میں یہ معاملہ سندھ ہائی کورٹ میں چلا گیا۔ جسارت سے علیحدگی اور تکبیر کی اشاعت کے ساتھ ہی محمد صلاح الدین کی جماعت اسلامی سے ٹسل کا آغاز ہوا۔ جماعت کے کراچی ناظم نے محمد صلاح الدین کی جسارت سے علیحدگی اور نئے ہفت روزہ کے اجراء کو اپنی انا کا مسئلہ بناتے ہوئے محمد صلاح الدین کے خلاف پروپیگنڈہ مہم تیز کردی اس وقت سرفہرست محمد صلاح الدین کے ۸۰ گز پر تعمیر دو منزلہ مکان کو ہدف تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ ان کے پاس اتنے وسائل کہاں سے آگئے کہ اس گھر کی تعمیر ممکن ہوئی! ضیاء الحق کے دور حکومت کی وجہ سے محمد صلاح الدین پر حکومت سے قربت یہاں تک کہ ایجنسیوں کے حوالے سے الزام تراشی کا نیا سلسلہ شروع ہوا۔ محمد صلاح الدین نے اپنے گھر کی تعمیر کے لئے اپنے جن جن اصحاب دوست، ہمدردوں سے قرض حسنہ لیا تھا اس کی ایک فہرست مرتب کر کے اور خود اپنے پاس جتنا سرمایہ تھا اس کا مکمل حساب کتاب کا گوشوارہ بنا کر اپنے قریبی جاننے والوں سے لے کر محلے اور احباب تک میں تقسیم کیا تا کہ وہ اپنے اوپر لگے ہوئے اس دھبے کو دھو سکیں جو جماعت کے حلقوں سے نکل کر عام قارئین جسارت و تکبیر تک پہنچنے لگا تھا۔ دسمبر ۸۳ء میں جب وہ جسارت سے سبکدوش ہوئے تھے تو طائف میں موجود ان کے دوست نعیم عارفی نے انہیں فون کیا کہ ’’آپ فوراً یہاں آجایئے، ہم آپ کو اپنا اخبار نکالنے کے لئے فنڈ مہیا کریں گے۔‘‘ دوسرے دن ریاض سے فرقان احمد نے فون کیا ’’نعیم بھائی سے بات ہوگئی ہے۔ ۲۴ لاکھ روپے کے وعدے ہوگئے ہیں آپ آجائیں تو انشاء اللہ اس رقم میں کئی گنا اضافہ ہوجائے گا۔‘‘ لیکن محمد صلاح الدین نے انتہائی انکساری کے

ساتھ ان دونوں اصحاب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ''جسارت میرا اپنا اخبار ہے۔ یہ میرا لگایا ہوا اور خون سے سینچا ہوا پودا ہے۔ اس کی موجودگی میں کوئی روزنامہ نہیں نکالوں گا کیونکہ اس سے جسارت کو نقصان ہوگا۔ میں کسی روزنامہ میں ملازمت بھی نہیں کرونگا۔ اپنے محدود مسائل سے ہفت روزہ ''تکبیر'' نکالوں گا جس کا ڈیکلریشن میرے پاس ہے۔'' جس پر ان اصحاب کو خاصی حیرت ہوئی۔ محمد صلاح الدین کے ان خیالات کی تصدیق سید ذاکر علی کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے محمد صلاح الدین کی شہادت کے بعد ایک انٹرویو میں دیا۔ ''جسارت سے علیحدگی کے بعد صلاح الدین کو بہت سے لوگوں نے آفر کیں کہ وہ اخبار نکالیں سرمایہ کاری ہم کریں گے۔ اس کے بعد بعض لوگوں نے کمیٹیاں بھی بنالیں کہ کراچی سے اخبار نکالا جائے مگر صلاح الدین نے ہمیشہ انکار کیا۔ میں انہیں جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ ایک مرتبہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی کہ جو تکبیر میں کام کرتے تھے کہ سب کام ہو چکا ہے تمام امور مکمل ہیں بس کچھ ہی دنوں کی بات ہے صلاح الدین صاحب روزنامہ نکال رہے ہیں۔ لیکن میں نے ان سے بھی یہی کہا کہ صلاح الدین صاحب اپنی زندگی میں کوئی دوسرا روزنامہ نہیں نکالیں گے۔ ان کی مروت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اخبار نکالیں انہوں نے خود مجھ سے یہ بات کہی کہ میں اپنے قلب کے کسی گوشہ میں یہ بات محسوس نہیں کرتا کہ میں جسارت کے مقابلے میں کوئی اخبار نکالوں۔ یہاں سے اور بہت سے اخبارات نکل رہے ہیں اور اس اخبار کا ان سے بھی مقابلہ ہوگا لیکن اس کا اصل مقابلہ جسارت سے ہی ہوگا گویا میرے اخبار نکالنے کو یہی سمجھا جائے گا اور عملاً یہی ہوگا نہ میرا

دل اور ذہن اس بات کو قبول کرتا ہے۔" جسارت سے یہ محمد صلاح الدین کی قلبی انسیت ومحبت کا حال تھا لیکن اس کے برعکس جسارت نے ہمیشہ محمد صلاح الدین کے معاملے میں کم ظرف اور کینہ پروری کا ثبوت دیا۔ چاہے وہ اس کے سلور جوبلی ایڈیشن ہوں یا جسارت کی تاریخ کے حوالے سے مضامین وکالم جسارت نے محمد صلاح الدین کی زندگی میں بھی انہیں وہ مقام درجہ نہیں دیا جو جسارت کی آبیاری میں محمد صلاح الدین نے ادا کیا۔ اگر جسارت کی تاریخ سچائی، حق گوئی، بہادری اور جابر حکمراں کے سامنے کلمہ حق کی ادائیگی سے عبارت ہے تو یہ صرف اور صرف محمد صلاح الدین کی ادارت میں ان کی جرأت قلم اور ٹیم ورک کا حصہ رہی۔ تکبیر پبلیکشنز شراکتی فرم کی تحلیل کے بعد لاکھوں کی واجبات کی ادائیگی کا بوجھ انفرادی طور پر محمد صلاح الدین کے حصے میں آیا لیکن اس بوجھ کو اتارنے میں جن احباب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ان میں نعیم عارفی سب سے پیش پیش تھے۔ انہوں نے پانچ سالہ چندے کی اسکیم کو کامیاب بنانے میں غیر معمولی تعاون کیا اور اس کے ذریعہ جو فنڈ جمع ہوا اس سے جملہ واجبات کی ادائیگی ممکن ہوسکی۔ نعیم عارفی کے علاوہ بھی ملک بیرون ملک تکبیر کی شہرت مقبولیت اور محمد صلاح الدین کی سچائی وایمانداری کے سبب اہل ثروت افراد نے بھرپور حصہ لیا اور قرض حسنہ کی مد میں دل کھول کر مدد کی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۴ء سے ہفت روزہ تکبیر کے اجرا کے وقت ملک کے سیاسی حالات پڑوسی ملک افغانستان میں جنگ کی وجہ سے انتہائی حساس نوعیت کے تھے۔ ۹۰ دن میں انتخابات کا وعدہ کرنے والے صدر جنرل ضیا الحق سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کے تضاد، انتشار ومفاد پرستی کی بناء پر آٹھ سال سے حکمرانی کررہے تھے۔ ملک میں علاقائی ونسلی اور

فرقہ ورانہ بنیادوں پر پریشر گروپ وتنظیموں کو پنپنے کا موقع مل رہا تھا۔ افغانستان ہی کی وجہ سے گذشتہ ایک عشرے سے پاکستان تخریب کاری اور جارحیت کا نشانہ بننے کے ساتھ ساتھ عالمی طاقتوں کی پروردہ ایجنسیوں کے لئے کھلی گزرگاہ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ ملکی وعالمی ذرائع ابلاغ سے افغانستان کی جنگ کے حوالے سے خبروں کا وہ تسلسل نہیں تھا۔ جس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔

محمد صلاح الدین نے مدیر تکبیر کی حیثیت سے دورہ افغانستان کا پروگرام بنایا۔ جس میں ان کے ساتھ سینئر صحافی حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے ظہیر احمد موجود تھے۔ ۳۱ جولائی ۱۹۸۵ء کی صبح نو بجے ظہیر احمد اور محمد صلاح الدین پی آئی اے کی پرواز کے ذریعہ کراچی سے پشاور روانہ ہوئے۔ جب گیارہ بجے وہ طیارے سے اتر کر ائرپورٹ کی عمارت سے باہر آئے تو ائرپورٹ پر ڈاکٹر عابد شریف کے ساتھ ایک نوجوان جیپ کے ہمراہ انہیں لینے کے لئے پہلے سے موجود تھا۔ اس نے اپنا نام "رفیق افغان" بتایا۔ یہ وہ پہلا باقاعدہ تعارف تھا جو محمد صلاح الدین اور ظہیر احمد کا دورہ افغانستان کے شروع میں رفیق افغان سے ہوا۔ رفیق افغان نے بتایا کہ وہ افغان تنظیموں کی طرف سے کراچی کے صحافیوں اور امداد دینے والے مخیر حضرات سے رابطہ کرنے پر مقرر رہے۔ یکم اگست ۱۹۸۵ء سے محمد صلاح الدین کا دورہ افغانستان ۱۶ اگست تک جاری رہا۔ اس سفر میں رفیق افغان نے اپنی مہمان نوازی، بہادری اور فن گفتگو کے علاوہ مختلف افغان تنظیموں سے روابط اور مولوی یونس خالص، مولانا جلال الدین حقانی اور گلبدین حکمت یار سے یکساں قربت و روابط کا مظاہرہ کر کے محمد صلاح الدین پر اپنی صلاحیت وقابلیت کا لوہا منوالیا۔ گو کہ دورہ افغانستان سے چند ماہ قبل ہی رفیق افغان نے

"جسارت" کا دور

محمد صلاح الدین
سید ذاکر علی
اور ظہیر احمد ۱۹۸۲ میں
دورہ سندھ کے موقع پر

بہ شکریہ کتاب صلاح الدین صاحب
کا قاتل کون ہے۔ ظہیر احمد

مدیر تکبیر ظہیر احمد اور رفیق افغان پاکستان کے آخری سرحدی گاؤں فقیراں میں جس پر روسی طیاروں نے بمباری کی

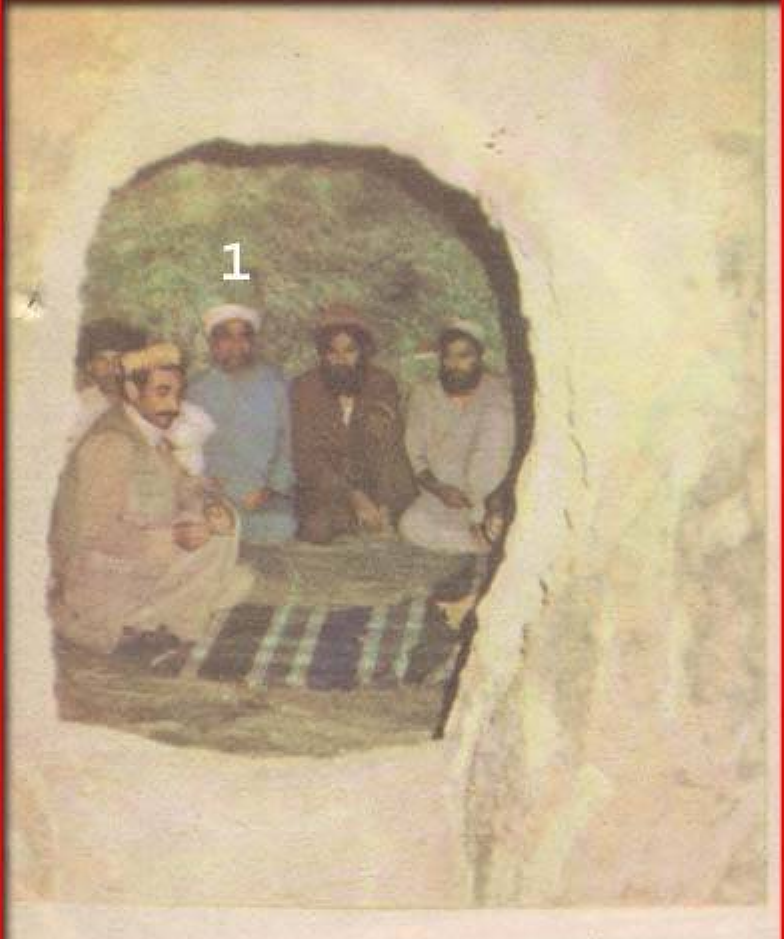

ننگرہار میں غار کے اندر، عابد شریف، حاجی ابراہیم، محمد صلاح الدین، محمد اشرف اور حق داد

محمد صلاح الدین، محمد اشرف اور رفیق افغان حاجی ابراہیم کی قیادت میں ... کے قریب ترین مرکز ... کی طرف جا رہے ہیں

محمد صلاح الدین، رفیق افغان اور ظہیر احمد شوریٰ مجاہدین کے ساتھ

1 شہید محمد صلاح الدین 2 رفیق افغان 3 ظہیر احمد افغان جہاد کے موقع پر

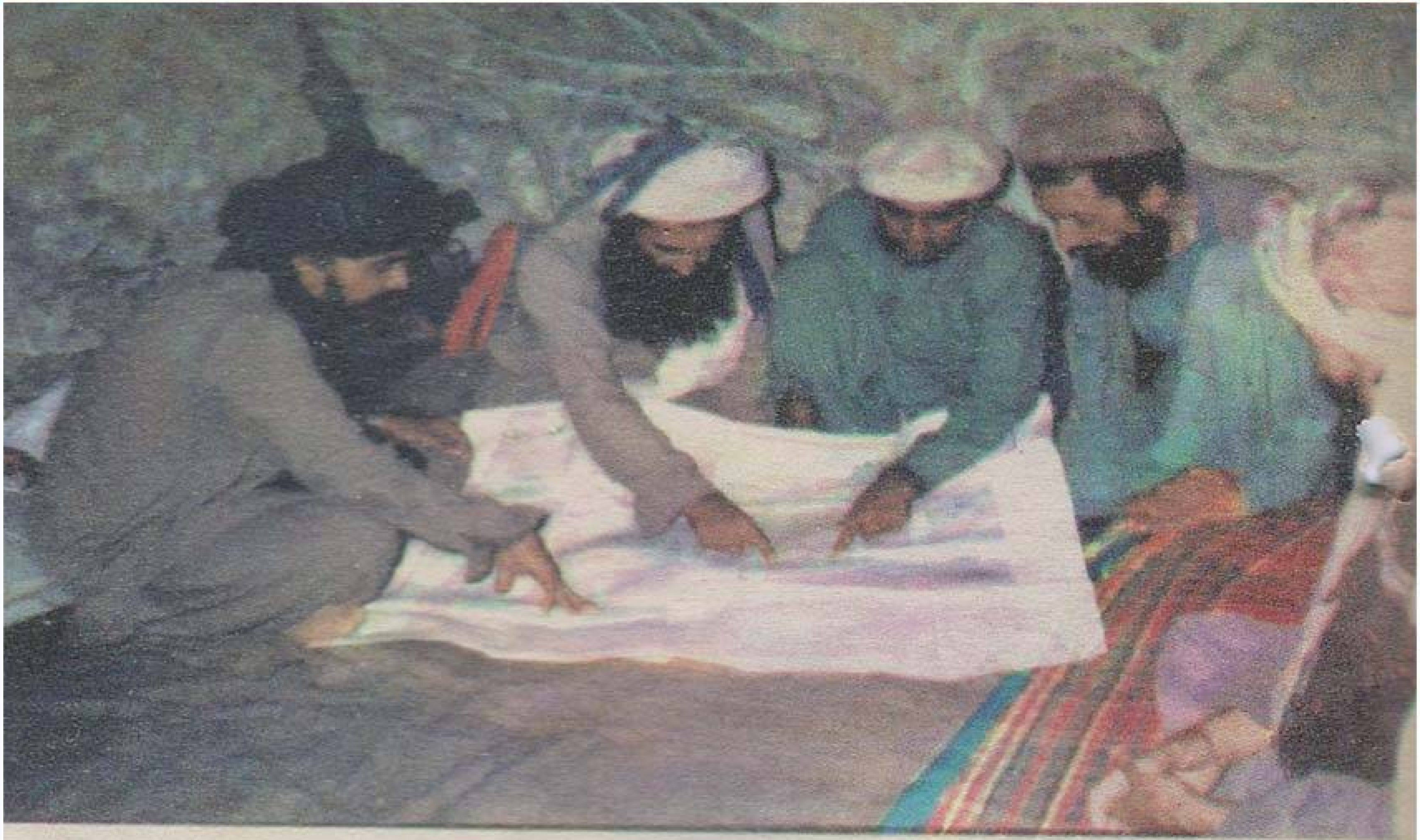

مولانا جلال الدین حقانی لغوڑی مرکز میں اپنے رہائشی غار میں مدیر تکبیر کو نقشوں کی مدد سے محاذ کی صورتحال بتا رہے ہیں

''ایک مضبوط طاقت کے ذریعہ'' سے محمد صلاح الدین تک رسائی تو حاصل کر لی تھی مگر محمد صلاح الدین کو براہ راست متاثر کرنے اور ان کے دل میں جگہ بنانے کا یہ وہ سنہری موقع تھا جو تقدیر نے رفیق افغان کو مہیا کر دیا تھا۔ ہفت روزہ تکبیر کی اشاعت کے سنہری دور کا آغاز ہو گیا تھا۔ تکبیر کی سرکولیشن میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔ محمد صلاح الدین کی تجزیاتی تحریر، مدلل و موثر اداریوں کے ساتھ دلچسپ اور حقائق پر مبنی رپورٹوں اور تصاویر نے تکبیر کا حلقہ قارئین بڑھا دیا تھا۔ محاذ جنگ سے خصوصی رپورٹنگ کا شعبہ رفیق افغان نے سنبھال لیا۔ محمد صلاح الدین کی روداد افغانستان اور رپورٹوں کی بناء پر تکبیر کو وسعت ملی نئے خریدار دستیاب ہوتے گئے۔ تکبیر کا دفتر خالد بن ولید روڈ کے کرائے کے دفتر سے نکل کر نامکو سینٹر میں اپنے خرید کردہ دفتر میں منتقل ہو گیا۔ تکبیر دفتر کا ایک حصہ محمد صلاح الدین نے اپنی اہلیہ ڈاکٹر قمر جہاں کے نام سے خریدا جبکہ دوسرا حصہ نعیم فاروقی نے اپنی اہلیہ کے نام سے خرید کر کرائے پر محمد صلاح الدین کو دیا۔ رفیق افغان کا خاندان یوسف پلازہ میں ایک سو بیس گز کے مکان میں رہائش پذیر تھا۔ رفیق افغان کے والد حمید افغان نے علی گڑھ سے سول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی تھی اور قیام پاکستان کے بعد کے ڈی اے میں ملازمت اختیار کی۔ رفیق افغان کے دو بھائی اور چار بہنیں ہیں۔ گھر میں رفیق افغان کا نمبر دوسرا ہے۔ پہلے نمبر پر رؤف افغان ہیں۔ تیسرا اور چھوٹا بھائی ناصر افغان، چار بہنوں میں سب سے بڑی گڈی جس کے شوہر کا نام عارف ہے۔ فرح نے ایم بی ایس کیا اور اس کا تعلق جمیعت طالبات سے رہا۔ دو چھوٹی بہنیں راحیلہ اور ارم۔ یہ گھرانہ بظاہر اوسط درجے یا مڈل کلاس میں شمار ہوتا تھا۔ گھر بھر میں رفیق اپنی

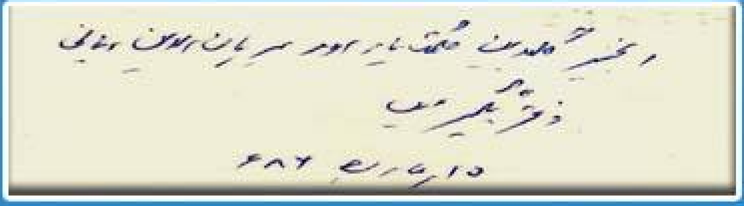
انجینئر گلبدین حکمتیار اور برہان الدین ربانی
دفتر تکبیر میں
15/3/86ء

محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ کیپشن 15 مارچ 86ء

انجینیر گلبدین حکمتیار اور برہان الدین ربانی دفتر تکبیر میں

خداداد صلاحیت وذہانت کے ساتھ بہادری وجرأت میں سب سے آگے تھے۔ رفیق افغان کی اسی بیبا کی اور ذہانت نے شب اونرز کالج ہی میں ان کا شمار تیز طرار گروپ میں ہونے لگا۔ اس زمانے میں کالجوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کا طوطی بول رہا تھا۔ رفیق افغان نے بھی اپنی طالب علمی کے دور سے ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کردیا۔ مگر رفیق افغان کا سیاسی کردار ایکشن فلموں کی طرح مار دھاڑ سے پُر ہوتا۔ شپ اونرز کالج سے رفیق افغان نے بی اے کیا۔ بی اے کے بعد انھوں نے کراچی یونیورسٹی کے آئی آر ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ ضرور لیا لیکن وہ باقاعدہ کلاسیس لے کر مکمل نہ کرسکے۔ کالج ہی سے ان کی زندگی کے جس رنگ نے قدم جمایا تھا وہ اب آہستہ آہستہ اور پختہ ہونے لگا۔ جمیعت کے تھنڈر گروپ میں ان کا نام نمایاں جگہ پانے لگا۔ یہیں ان کی ٹیپو سے بھی مڈبھیڑ ہوئی، وہی ٹیپو جس نے ضیاء الحق کے زمانے میں جہاز اغواء کیس میں شہرت پائی اور بعد ازاں ہلاک ہوا۔ رفیق افغان نے یونیورسٹی کے زمانے سے ہی لڑکیوں سے تعلقات کے حوالے سے بھی شہرت حاصل کرنا شروع کردی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو نے رفیق افغان کی جس لڑکی کی وجہ سے پٹائی لگائی اور جس لڑکی کی گاڑی چھینی۔ وہ وہی بعد میں ائر ہوسٹس بنی اس وقت وہ پاپوش میں رہائش پذیر تھی۔ بعد میں بھی یہ تعلق قائم رہا اور اس نے کیا کیا گل کھلائے اس کا ذکر آگے آئے گا۔ رفیق افغان کے ساتھ اس کا ایک دوست جاوید جو بعد میں جاوید جوئیلرز حیدری کے نام سے معروف ہوا۔ ہمراہ ہوتا تھا۔ اس واقعہ کے راوی قیصر خان ہیں جو شپ اونرز کالج میں جب رفیق افغان نے فرسٹ ائیر میں داخلہ لیا اس وقت وہ کالج میں جمعیت کے نگراں تھے۔ قیصر خان کا کہنا ہے۔ ”جب کوئی پرانے

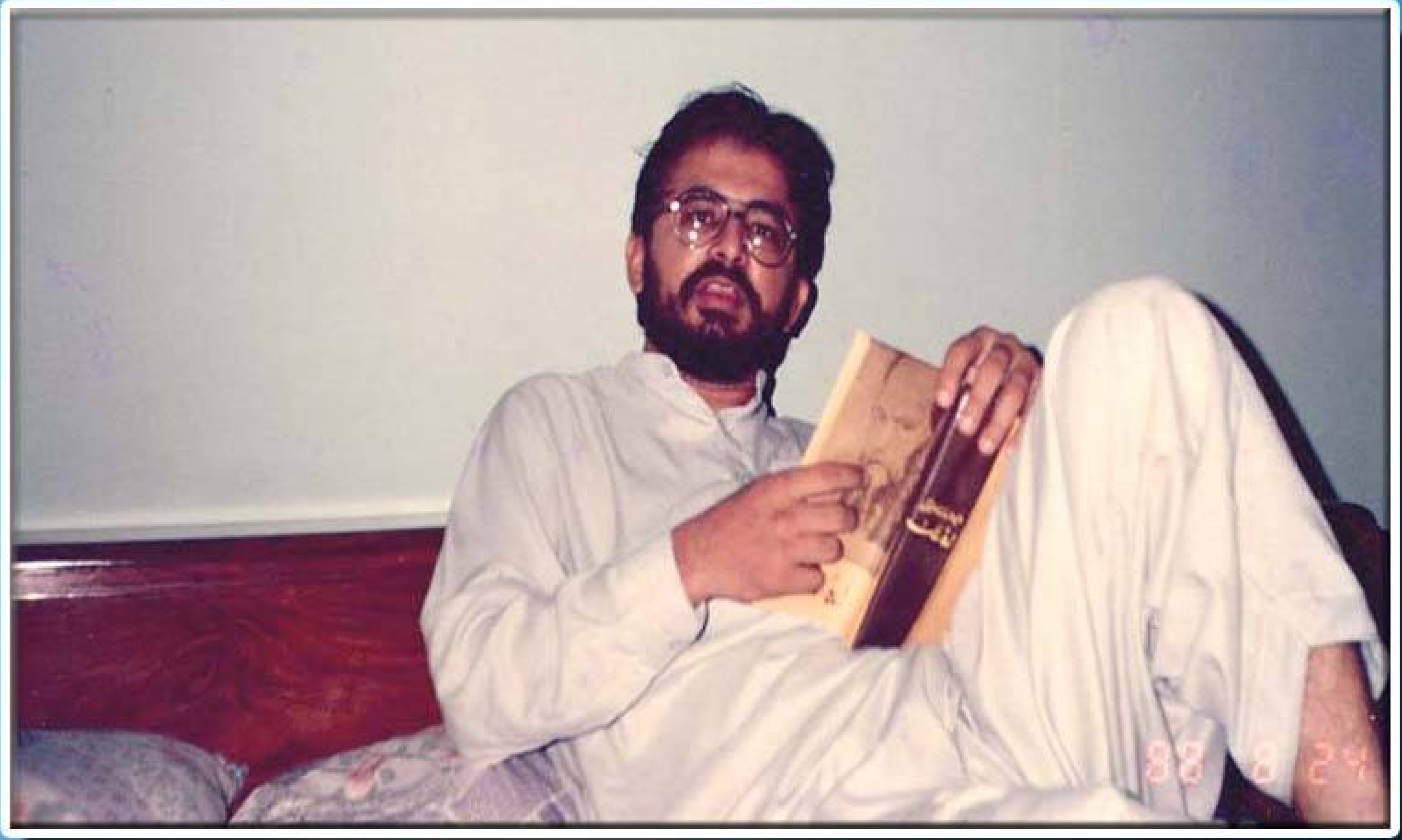

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

رفیق افغان دورِ نوجوانی میں

حوالوں سے بچنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہت تیزی سے کسی غلط راستے پر چلا گیا ہے۔ پرانے جاننے والے اصلیت کو جانتے ہیں۔ رفیق جس راستے پر چل رہا ہے وہ میرے لئے قطعی غیر متوقع نہیں ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے وہ بھی میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔ صلاح الدین صاحب نے جب گاڑی روانہ ہوگئی پھر ہم سے پوچھا اور یہ بات میں نے ان سے کہی کہ آپ بعد میں پوچھ رہے ہیں اگر آپ پہلے پوچھتے تو میں پہلے بتا دیتا۔ جب اس نے فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا اس وقت میں جمعیت کا نگراں تھا۔ اس نے گاڑی ہائی جیک کرلی۔ مجھ سے زیادہ اس کو اس حلقے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس کے ہاتھوں جہاز ہائی جیک ہوگیا۔ اس (رفیق) کو زندگی میں ایک لاوٴنچنگ پیڈ کی ضرورت تھی۔ جہاں سے وہ میزائل فائر کرے۔ بس اس نے وہاں سے ٹیک آف لے لیا۔ اس کے سامنے کوئی اور ٹارگٹ ہیں اسے وہ بہت تیزی سے حاصل کر رہا ہے۔ (بحوالہ گفتگو قیصر خان ٹیلی فون ۹۹-۹-۹)

رفیق افغان کراچی یونیورسٹی میں زیادہ عرصہ قدم نہ جما سکے اور اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر وہ افغانستان نکل گئے۔ اس وقت جنگ افغانستان کا آغاز ہو چکا تھا اور ملک کی دینی و مذہبی جماعتیں جنگ افغانستان کو جہاد کے طور پر دیکھ اور محسوس کر رہی تھیں۔ پاکستان کی حساس ایجنسیاں نہ صرف خود اس جنگ میں بلواسطہ، بلاواسطہ شریک تھیں بلکہ کراچی اور دیگر شہروں سے اسلامی فکر ذہن رکھنے والے نوجوان شوق شہادت میں جہاد افغانستان میں شرکت کے لئے پڑوسی ملک کا رخ کر رہے تھے۔ بعض معتبر ذرائع کا کہنا ہے کہ رفیق افغان نے جہاد افغانستان میں اسلحے کی ترسیل لین دین میں اپنی شراکت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کراچی یونیورسٹی میں طلبہ تنظیموں کو تھرڈ

پر ان کے ذریعہ اسلحہ فروخت کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۸۵ء کی ابتدائی تاریخوں میں محمد صلاح الدین کے دورہ افغانستان کے بعد تکبیر۔ کی پالیسی میٹر، رپورٹس میں واضح تبدیلی آنے لگی تھی۔ جہاد افغانستان کے حوالے سے محمد صلاح الدین اس بات کے بھرپور حق میں تھے کہ جہاد افغانستان کی جس قدر جس حد تک قلمی، علمی مادی حمایت ہو سکتی ہے کی جائے۔ محمد صلاح الدین کے دورہ افغانستان کے حوالے سے رپورٹوں نے بھی قارئین پر اچھا اثر ڈالا۔ تکبیر کی سرکولیشن بڑھنے لگی۔ افغانستان کی جنگ کے حوالے سے رفیق افغان کی رپورٹوں کے علاوہ بعض ایسی رپورٹیں بھی ''تکبیر'' میں جگہ پانے لگیں جن تک رسائی صرف انٹیلی جنس ایجنسیوں ہی کی ممکن تھی۔ یہی وہ عرصہ تھا جب ملکی سیاسی افق پر مہاجر قومی موومنٹ کے قیام کے ساتھ ہی کراچی میں فسادات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ایم کیو ایم کے حوالے سے تکبیر میں رپورٹوں کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ فروری ۱۹۸۶ء کے وسط میں محمد صلاح الدین نے ایک خواب دیکھا یہ خواب بہت انوکھا اور پر اسرار تھا جس کی تفصیل کو ایک کاغذ پر لکھ کر انہوں نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا۔ معلوم نہیں کہ انہیں اندازہ تھا یا یہ تقدیر کی کرم نوازی تھی کہ اس نے مستقبل میں ہونے والے ایک اہم بڑے واقعہ یا حادثے (صلاح الدین کی شہادت) کی طرف بہت واضح اشارہ نو برس پہلے ہی کر دیا تھا۔ اس خواب کی اصل نقل کا عکس ساتھ دیا جا رہا ہے۔ تفصیل درج ہے۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

آج جمعہ ۱۴ فروری اور ہفتہ ۱۵ فروری کی درمیانی شب صبح پونے چھ بجے ایک خواب دیکھا کہ اخبارات میں خان عبدالولی خان

کا بیان شائع ہوا ہے جو مختصر سے چوکھٹے میں صفحہ اول پر لگا ہوا کہ ''آج شام ۵ بجے تک صلاح الدین کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسی دن ۴ بجے سہ پہر سے ایک لمبی اور گھنی مونچھوں اور گنجے سر والے ادھیڑ عمر پٹھان نے جو واسکٹ اور چادر میں ملبوس ہے میرا تعاقب ایک موٹر گیراج سے شروع کیا۔ میں ایسے مشتبہ حالت میں دیکھ کر گھر کی طرف چلا، وہ سائے کی طرح میرے پیچھے لگا رہا۔ میں گھر سے کنی کاٹ کر ایک اور راستے پر جا نکلا۔ وہ تھوڑی دیر بعد ہی سامنے نمودار ہوا اور اپنی چادر سے بندوق نکال کر یکا یک فائرنگ کرنے والا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت نماز فجر کے لئے اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جا کر نماز ادا کی، کل من علیھا فان۔ ذوالجلال والاکرام۔ (محمد صلاح الدین۔ ۸۶۔ ۲۔ ۱۵۔ ۶ بجے صبح)

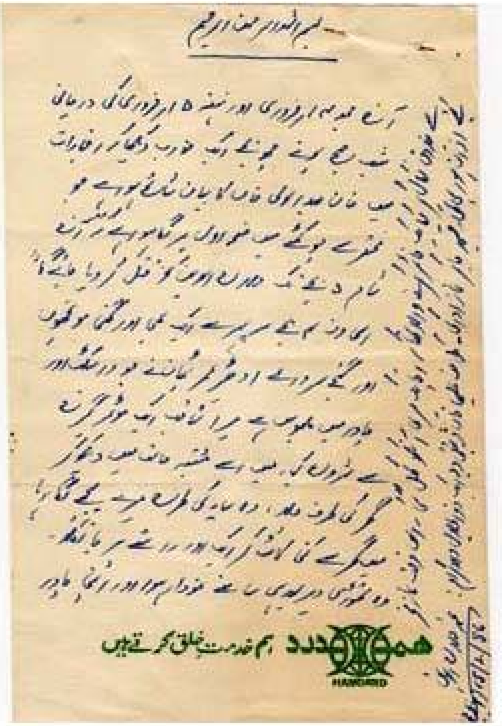

محمد صلاح الدین کے خواب کا تحریری عکس

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

آج جمعہ ۱۴ فروری اور ہفتہ ۱۵ فروری کی درمیانی شب صبح پونے چھ بجے ایک خواب دیکھا کہ اخبارات میں خان عبدالولی خان کا بیان شائع ہوا ہے جو مختصر سے چوکھٹے میں صفحہ اول پر لگا ہوا کہ "آج شام ۵ بجے تک صلاح الدین کو قتل کردیا جائے گا۔ اسی دن ۴ بجے سہ پہر سے ایک لمبی اور گھنی مونچھوں اور گنجے سر والے ادھیڑ عمر پٹھان نے جو واسکٹ اور چادر میں ملبوس ہے میرا تعاقب ایک موٹر گیراج سے شروع کیا۔ میں ایسے مشتبہ حالت میں دیکھ کر گھر کی طرف چلا، وہ سائے کی طرح میرے پیچھے لگا رہا۔ میں گھر سے کنی کاٹ کر ایک اور راستے پر جا نکلا۔ وہ تھوڑی دیر بعد ہی سامنے نمودار ہوا اور اپنی چادر سے بندوق نکال کر یکا یک فائرنگ کرنے والا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت نماز فجر کے لئے اذان ہو رہی تھی۔ مسجد جا کر نماز ادا کی۔ کل من علیھا فان۔ ذوالجلال والاکرام۔ (محمد صلاح الدین۔ ۸۰-۲-۱۵۔ ۶ بجے صبح)

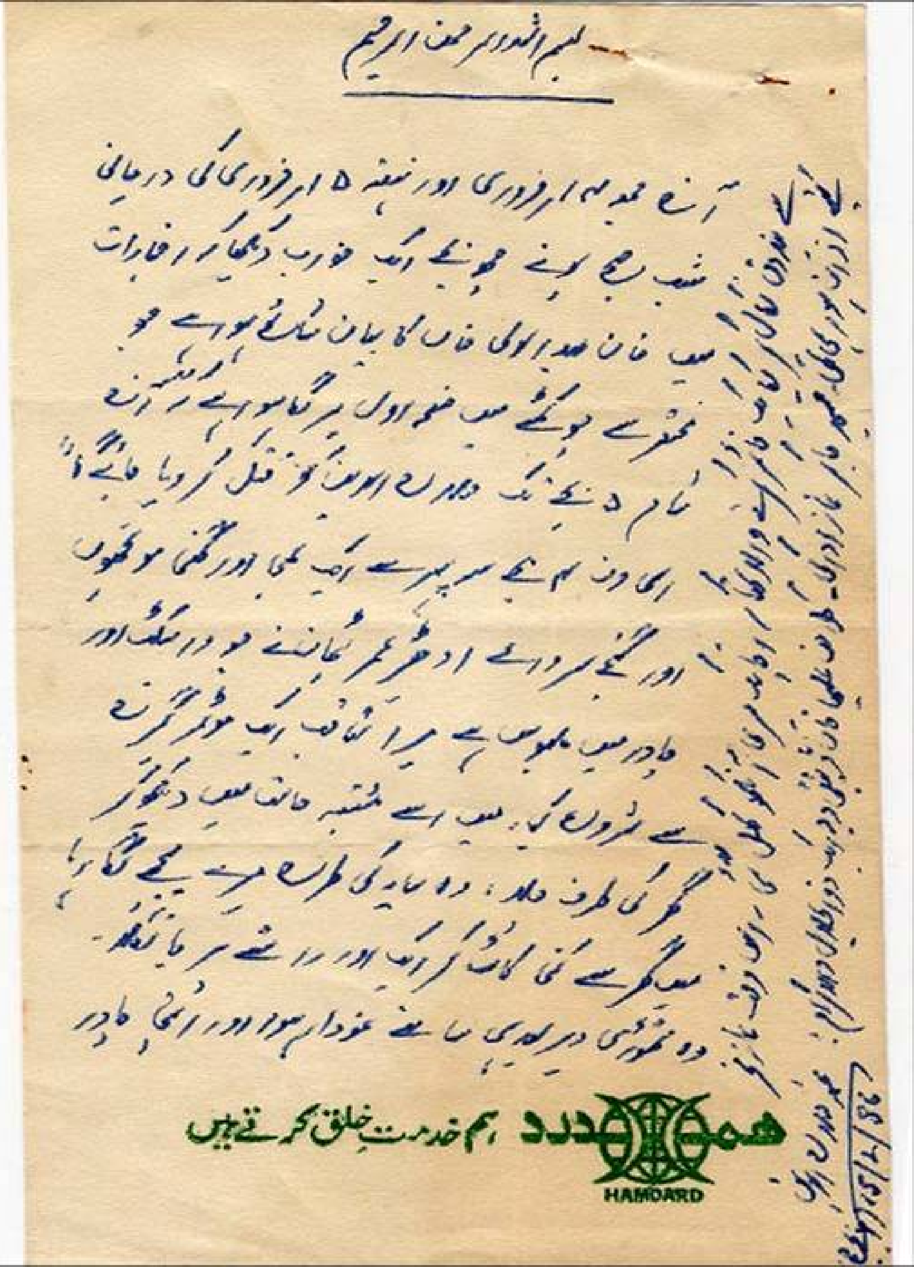

۸۶ء میں محمد صلاح الدین کی اکلوتی بیٹی سعدیہ انجم کراچی یونیورسٹی شعبہ صحافت سے ایم اے مکمل کر چکی تھیں۔ سعدیہ انجم نے انٹر کے بعد بی اے سرسید کالج سے کیا۔ محمد صلاح الدین نے بیٹی کے لئے ہومیو پیتھک کی تعلیم تجویز کی۔ ان کی خواہش تھی کہ سعدیہ انجم بھی اپنی والدہ کی طرح ہومیو پیتھک کی تعلیم حاصل کرے لیکن محمد صلاح الدین کی اہلیہ ڈاکٹر قمر جہاں کی خواہش اور تمنا تھی کہ وہ اپنی اکلوتی صاحبزادی کو صحافت کی تعلیم ضرور دلوائیں۔ سعدیہ انجم نے اپنی ماں اور باپ دونوں کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے پہلے میو پیتھک کالج میں داخلہ لیا۔ پھر دو سال بعد ہی اس نے کراچی یونیورسٹی میں شعبہ صحافت میں داخلہ لے لیا۔

اس وقت شعبہ صحافت میں جسارت کے حوالے سے عطیہ کی سعدیہ سے جان پہچان تو تھی مگر یہ شناسائی جامعہ کراچی میں ایک اچھی اور گہری دوستی میں بدل گئی۔ صحافت کی تعلیم مکمل ہوتے ہی عطیہ اقبال زیدی کی محمود احمد فاروقی سابق پی آر او جامعہ کراچی سے شادی ہوگئی۔ اس وقت محمود فاروقی اسلام آباد میں دعوٰی اکیڈمی میں اہم عہدے پر فائز تھے۔ محمود احمد فاروقی جامعہ کراچی کے زمانے میں ہی رفیق افغان کو جانتے تھے۔ اسلام آباد میں رہائش پذیر ہونے کی بناء پر رفیق افغان سے ایک بار پھر سے تجدید تعلق ہونے لگا۔

سعدیہ انجم کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ انجم کا زیادہ تر وقت گھر پہ گزرتا۔ ڈاکٹر قمر جہاں صبح ۱۰ بجے سے دو تین بجے دن تک گھر کے قریب اپنے کلینک پر ہوتیں۔ گھر میں صلاح الدین کے والد محمد شہاب الدین اور ان کی اکلوتی پوتی سعدیہ انجم موجود رہتیں۔ یہی وہ عرصہ تھا جب رفیق افغان نے افغان جنگ کے حوالے سے رپورٹنگ کے بہانے محمد صلاح الدین کے گھر پر رابطہ کرنا شروع کیا۔

سعدیہ جیسی گھریلو اور سادہ فطرف لڑکی سے تعارف حاصل کرنے کے بہانے اسے اپنی باتوں میں الجھانا کچھ مشکل نہ تھا۔ رفیق اب گاہے بگاہے دفتر تکبیر رابطہ نہ ہونے کا بہانہ کر کے گھر پر فون کرنے لگے۔ کئی بار ایسا بھی ہوتا کہ سعدیہ انجم کے دادا جان سے ٹکراؤ ہو جاتا لیکن رفیق افغان کی ذہانت معاملے کو اس طرح سنبھال لیتی کہ انہیں شبہ بھی نہ ہوتا۔ محمد صلاح الدین ہر باپ کی طرح اس بات کے خواہش مند اور فکرمند تھے کہ جلد از جلد اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے کر دیں گو کہ سعدیہ انجم کا نام صحافت کی ڈگری لینے کے بعد تکبیر کے شعبہ ادارت میں آنے لگا تھا۔ لیکن محمد صلاح الدین کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا کہ وہ بیٹی کو دفتری امور میں شریک کرتے۔ ان کی دلی آرزو یہ رہی تھی کہ سعدیہ انجم اپنے گھر کی ہو جائے۔ اس سلسلے میں وہ اپنی فکرمندی کا اظہار اکثر اپنے حلقہ احباب میں بھی کر دیتے۔ محمد صلاح الدین کے نام اور شہرت کے حوالے سے سعدیہ انجم کے لئے رشتوں کی کمی نہیں تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ان کے اپنے خاندان میں سعدیہ کی تعلیم و ذہانت کے اعتبار سے ہم پلہ رشتہ نہ تھا مگر جماعت اور غیر جماعتی حلقوں سے سعدیہ کے لئے رشتے آنے لگے تھے۔ لیکن سعدیہ انجم رفیق افغان کے لئے اپنی پسندیدگی اپنی قریبی سہیلی عطیہ اقبال زیدی سے نہ چھپا سکی۔ عطیہ اقبال زیدی ان دنوں شادی کے بعد اسلام آباد میں رہائش پذیر تھیں۔ رفیق افغان نے بھی سعدیہ انجم سے فون پر ہونے والی گفتگو سے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام آباد میں موجود محمود احمد فاروق اور ان کی بیگم عطیہ یہ رشتہ کرانے میں ان کے مددگار بن سکتے ہیں۔ رفیق افغان نے کسی ذریعہ سے محمد صلاح الدین کے گھر تک سعدیہ انجم سے رشتہ کے لئے بات پہنچائی لیکن یہاں سے فوری طور پر انکار ہو گیا۔ محمد

صلاح الدین کی اہلیہ ڈاکٹر قمر جہاں قطعی طور پر اس رشتے کے حق میں نہ تھیں۔ رفیق افغان نے اس انکار کے بعد اپنی کوششیں تیز تر کر دیں۔ صرف ایک ماہ کا بل اسلام آباد سے کراچی محمد صلاح الدین کے گھر ٹیلی فون کا بل چالیس ہزار روپے رفیق افغان نے ادا کیا۔ محمد صلاح الدین کو سعدیہ کے لئے آنے والے دیگر رشتوں کے لیے سعدیہ کی منفی خاموشی نے انہیں یہ احساس دلایا کہ بیٹی کی پسند اور خواہش دوسری ہے۔ ۸۷ء میں ہی ایک دن انہوں نے اپنے اداراتی ساتھی ظہیر احمد جن کے ساتھ دورہ افغانستان کے موقع پر رفیق افغان کی دریافت ہوئی تھی۔ رفیق افغان سے سعدیہ کے رشتے کی بابت رائے لی۔ ظہیر احمد کا بیان ہے کہ "میں نے محتاط انداز سے صرف اتنی رائے دی کہ بظاہر برتاؤ اور بات چیت میں لڑکا اچھا ہے۔ مجھے رفیق افغان کے ماضی اور خاندان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا اور نہ میں یہ جانتا تھا کہ بنیادی طور پر اس کا پیشہ کیا ہے۔ وہ کیا کرتا ہے اور آئندہ کیا کرے گا۔" (بحوالہ کتاب صلاح الدین صاحب کا قاتل کون ہے۔ ظہیر احمد) سعدیہ انجم نے اپنے والدین کو مجبور کر دیا کہ رفیق افغان ہی اس کے لئے بہتر شریک زندگی بن سکتا ہے لیکن جب محمد صلاح الدین نے سعدیہ کے رشتے کی بات رفیق افغان سے کرنی چاہی، تو رفیق افغان نے یہ کہہ کر یہ رشتہ رد کر دیا کہ وہ افغانستان میں مستقل رہائش اختیار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا اس چیز کو مدنظر رکھا جائے۔ جبکہ محمد صلاح الدین کی خواہش تھی کہ سعدیہ شادی کے بعد کراچی میں رہے۔ رفیق افغان کا ایک مقصد تو اپنی برتری جتانا اور اپنی بات منوانا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ ان دنوں رفیق کو افغانستان مین زیادہ فائدے نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ یہ حزب اسلامی کا پبلک ریلشنز آفیسر تو تھے ہی اور

انہوں نے ایسے ٹویوٹا ہائی لک، بنگلہ، کلاشنکوف بردار محافظوں کا دستہ اور دفتر دے رکھا تھا۔ وہ ان دنوں ہیوی مکینکل انجینئرنگ کمپلکس کے پرائس پوچھتے نظر آتے تھے کہ کتنے میں کارخانہ لگ سکتا ہے۔ رفیق افغان کے پاس ان دنوں دولت روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ جب یہ معاملہ بگڑنے لگا تو محمد صلاح الدین، اسلام آباد محمود فاروقی کے پاس گئے۔ عطیہ اقبال زیدی سے انہوں نے کہا کہ ''تم لوگ رفیق افغان سے بات کرلو''۔ عطیہ اور محمود فاروقی نے پہلے رفیق افغان سے بات کی پھر محمد صلاح الدین سے کہ ''آپ کراچی میں رہنے والی شرط ختم کردیں تو رفیق افغان یہ رشتہ کرنے پر رضامند ہوگا''۔ محمد صلاح الدین نے بالآخر یہ شرط ختم کردی کہ شادی کے بعد سعدیہ انجم کراچی میں رہے گی اور رفیق افغانستان نہیں جائے گا۔ محمود احمد فاروقی کا بیان ہے کہ جب صلاح الدین صاحب کے گھر رفیق افغان کے رشتے کے سلسلے میں ان سے بات ہوئی تھی تب ہی انہوں نے محمد صلاح الدین اور ان کی اہلیہ کے سامنے یہ بات واضح کردی تھی کہ رفیق افغان کے خلاف افغانستان سے اسلحہ لاکر یونیورسٹی میں بیچنے کے علاوہ اخلاقی طور پر بھی اسلام آباد میں لڑکیوں کے ساتھ ملوث ہونے کے شواہد ہیں۔ محمود فاروقی کا کہنا ہے کہ میں اکثر گاڑیوں میں رفیق کے ساتھ گھوما کرتا تھا تو اسلام آباد میں جیسا کہ ایک عام چلن ہے اسٹاپ پر لڑکیاں گاہک کی تلاش میں کھڑی ہوتی ہیں وہ ان کو اکثر پک کرلیتا کیونکہ پیسہ بہت تھا بڑے گھر میں تنہا رہتا تھا۔ افغان جہاد کی برکات کے سبب دولت اکٹھی کرلی تھی۔ ہم نے رفیق کے بارے میں شادی کے وقت تمام صورتحال من وعن بتادی تھی کیونکہ یہ ایک طرح کی شہادت ہوتی ہے اچھے برے پہلو سب بتادیئے تھے کہ بہت جرأت

مند آدمی ہے۔ دس آدمی لڑ رہے ہوں گولیاں چل رہی ہوں تو درمیان میں کود جائے گا لیکن اس کی شخصیت کا دوسرا پہلو عورت کے معاملے میں کمزور ہے۔ لیکن محمد صلاح الدین رفیق افغان کے ساتھ افغانستان کا سفر کر چکے تھے۔ وہاں ہر جنگ کے دوران رفیق کا کردار ان کے سامنے ایک نڈر اور مجاہد کے طور پر سامنے آیا تھا۔ گولیاں چل رہی ہیں۔ دھماکے ہو رہے ہیں ان کی جیپ جا رہی ہے رفیق بغیر کسی ڈر وخوف کے ان کے درمیان موجود ہے۔ محمد صلاح الدین رفیق کے اس رخ سے بہت متاثر تھے بولے کہ ''نہیں رفیق اب وہ نہیں ہے جو وہ پہلے تھا۔ اب وہ بالکل بدل چکا ہے۔ میں نے اس کو موت کے منہ میں دلیری سے جاتے اور نکلتے دیکھا ہے''۔ وہ اس کی جرأت سے بہت متاثر تھے۔ عطیہ اقبال زیدی، سعدیہ انجم سے گھریلو تعلقات کی بنا پر اس بات سے واقف تھی کہ لڑکپن میں برین ہمبرج کا دورہ پڑنے کی وجہ سے سعدیہ انجم کے ماں بننے کے امکانات کم تھے۔ یہ بات محمود احمد فاروقی کو عطیہ کے ذریعہ معلوم تھی لہٰذا انہوں نے شادی سے قبل رفیق افغان کو یہ بات بتادی جس پر رفیق افغان نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہم دوسری تیسری کر لیں گے ہمارا کیا ہے''۔ سعدیہ انجم اور رفیق افغان کی منگنی ہوگئی۔ شادی کے لیے ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کی تاریخ مقرر ہوئی۔ ۴۹ ویں یوم پاکستان اور ہفت روزہ تکبیر کی چوتھی سالگرہ کے موقع پر بدھ ۲۳ مارچ ۱۹۸۸ء کو کے ڈی اے کے سابق سول انجینئر عبدالحمید افغان کے صاحبزادے رفیق افغان اور محمد صلاح الدین کی صاحبزادی سعدیہ انجم رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ ان کا نکاح دس بارہ جہادی تنظیموں کے سربراہ گلبدین حکمتیار نے پڑھایا۔ نکاح کے وقت سعدیہ انجم کی عمر ۲۶ سال رفیق افغان کی عمر ۳۱ سال نکاح نامے

دائیں سے محمد صلاح الدین شہید اپنے والد شہاب الدین صاحب (امیر حزب اسلامی) گلبدین حکمت یار اور رفیق افغان اپنی شادی کے موقع پر

بائیں سے ناصر افغان، محمد صلاح الدین شہید، حمید افغان
پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ، رفیق افغان اور شہاب الدین صاحب

بائیں سے محمد صلاح الدین شہید، حمید افغان
ثروت جمال اصمعی، رفیق افغان اور شہاب الدین صاحب

میں لکھی گئی۔ سعدیہ کی طرف سے دلہن کے وکیل حبیب الرحمٰن اور امان اللہ تھے۔ شادی کے بعد سعدیہ رخصت ہوکر یوسف پلازہ فیڈرل بی ایریا والے گھر میں گئیں۔ چند ہفتے بعد ہی سعدیہ اور رفیق اسلام آباد چلے گئے۔ جب سعدیہ انجم کی رفیق افغان سے شادی ہوئی۔ اس وقت آئی ایس آئی کے سربراہ حمید گل تھے۔ آئی ایس آئی کا کردار نہ صرف افغان جنگ بلکہ اس عرصہ میں ملک میں ہونے والی تبدیلیوں کے پس پردہ بہت طاقتور عنصر کی حیثیت سے نمایاں رہا۔ ۱۹۸۸ء کا سال صرف رفیق افغان کے سعدیہ سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے تعلق سے ہی اہم نہیں ہے بلکہ یہ سال دو اہم واقعات کے سبب بھی بے حد اہم ہے۔ پہلا واقعہ ۱۷ اگست ۸۸ء کا ہے جب فضائی حادثے میں ضیا الحق اور کئی ممتاز فوجی افسران جاں بحق ہوئے اور بعد ازاں صرف تین ماہ بعد انتخابات کے ذریعہ پیپلز پارٹی کو برسر اقتدار آنے کا موقع ملا اور دوسرا واقعہ انتخابات سے قبل ۳۰ ستمبر ۸۸ء کا ہے جب ''نامعلوم'' مسلح افراد نے حیدرآباد میں قتل عام برپا کر کے دو سو سے زیادہ افراد کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق معروف صحافی ظہیر احمد نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ ''کچھ عرصہ پہلے جب ۲۳ دسمبر ۱۹۹۶ء کو حمید گل حیدرآباد پریس کلب آئے تو میں نے ان سے براہ راست یہ سوال کیا تھا کہ ''سندھ میں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ سانحہ ۳۰ ستمبر میں آئی ایس آئی کا ہاتھ بھی تھا آپ اس وقت سربراہ تھے۔ کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟'' جنرل حمید گل نے خاصہ جذباتی انداز میں اس کی تردید کی تھی مگر اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ سانحہ ۳۰ ستمبر میں جو کردار سامنے (ON The Face) تھے ان کا نہ

صرف بال بھی بیکا نہیں ہوا بلکہ وہ معمولی درجے کے سیاسی کارندوں سے یکا یک لاکھوں روپے ماہانہ خرچ کرنے والے سیاستدان اور پجارو میں مسلح گارڈز کے ساتھ چڑھنے اترنے والے ہیرو بن گئے۔ ان کرداروں کے پاس سیاست کے لئے یہ دولت کہاں سے آئی؟ یہ بات سب سمجھتے ہیں بلکہ گاہے گاہے بتاتے بھی رہتے ہیں۔ (بحوالہ کتاب صلاح الدین صاحب کے قاتل کون؟)

شادی کے فوری بعد رفیق افغان کا پہلا اعتراض سعدیہ انجم کے نام پر رہا جو تکبیر کے شعبہ ادارت میں رکن کی حیثیت سے چھپ رہا تھا۔ رفیق کا خیال تھا کہ سعدیہ کا نام پرچے میں نہیں آنا چاہئے لیکن رفیق افغان کے اس خیال سے محمد صلاح الدین سمیت بیگم قمر جہاں اور خود سعدیہ بھی اس سے اتفاق نہیں کرتی تھیں۔ شادی کے بعد ۲۸ اپریل ۸۸ء سے نام ادارت سے خارج رہا مگر ۱۶ جون ۸۸ء کو سعدیہ رفیق کے طور سے یہ نام پھر سے ادارت میں شامل کرلیا گیا۔ بے نظیر بھٹو کے اقتدار میں آتے ہی ۲۲ دسمبر ۸۸ء سے تکبیر کی ادارت میں رفیق افغان کا نام سعدیہ رفیق سے پہلے چھپنے لگا۔ اسی زمانے میں آئی ایس آئی سے جنرل حمید گل کو سبکدوش کردیا گیا تو جون ۸۹ء کے تکبیر میں رفیق افغان نے اس موضوع پر ایک مضمون لکھا جس کا عنوان تھا آئی ایس آئی میں کیا ہو رہا ہے؟ جنرل حمید گل کی رخصتی کے حقیقی اسباب؟'' پھر فوراً بعد ۱۵ جون کے شمارے میں اسی موضوع پر رفیق کا دوسرا مضمون چھپا جس کی ٹائٹل پر سرخی تھی دہلی، ماسکو، واشنگٹن سازش کا شکار آئی ایس آئی کے جنرل حمید گل'' یہ اس راستے یا منزل کی شروعات تھیں جس پر بعض '' نادیدہ طاقتوں'' نے تکبیر کی گاڑی کا رخ موڑ دیا۔ ایک طرف ملک میں داخلی انتشار سیاسی عدم استحکام کی صورت نمایاں تھی دوسری سمت ملک

1

2

3

1 سعدیہ انجم کا نام تکبیر کے شعبہ ادارت میں شامل

2 سعدیہ انجم کا نام تکبیر کے شعبہ ادارت سے ۲۸ اپریل ۱۹۸۸ء تک ادارت سے خارج رہا

3 ۱۶ جون ۱۹۸۸ء میں سعدیہ رفیق کے نام سے دوبارہ ادارت میں شامل

میں لسانی، مسلکی فروعی تنظیموں نے بہت تیزی کے ساتھ عوام میں اپنے اثرات مرتب کرنا شروع کر دیے تھے۔ان حالات میں تکبیر کی رپورٹنگ کا وہ روپ سامنے آیا۔جس نے صحافتی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔بھارت میں ایم کیو ایم کے دہشت گردوں کے تربیتی کیمپوں کی ایسی رپورٹیں منظر عام پر آنے لگیں جو کسی صحافی کی ذاتی محنت صلاحیت، و تحقیق کے بجائے انٹیلی جنس ایجنسیوں کی خفیہ رپورٹیں دکھائی دیتیں۔تکبیر نے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ حمید گل کا امیج بنانے سنوارنے کے ساتھ ساتھ بریگیڈیروں و میجروں کی شخصیت سازی بھی شروع کر دی، تکبیر کا سفر کامیابیوں کی طرف گامزن دکھائی دینے لگا۔حکومتی اشتہارات کی بندش اور نجی اداروں کی طرف سے اشتہارات کی عدم فراہمی کے جواب میں ''ایک بندہ خدا'' جیسی عنایات اور فیض و برکات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔

رفیق افغان نے اسلام آباد میں افغانیوں کے لئے مکانات، گھر، بنگلوں کی خرید و فروخت کرائے کی ڈیلینگ کی ساری ذمہ داری خود سنبھالی ہوئی تھی۔اس طرح انھوں نے پراپرٹی کے اپنے کاروبار کا بھی آغاز کر لیا۔دولت کی ریل پیل تھی۔خود وہ جس بنگلے یا گھر میں رہائش پذیر تھے۔اس کے متعلق معروف صحافی ظہیر احمد نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے''جب مئی ۱۹۸۹ء میں مجھے اپنے ایک ذاتی کام کے سبب اسلام آباد جانے کا موقع ملا اور میں وہاں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہرا تو دوسرے ہی دن اتفاقاً صلاح الدین صاحب اسلام آباد آ گئے اور مجھے ہوٹل سے اس کوٹھی میں لے گئے جہاں ان کی بیٹی اور داماد مقیم تھے۔اس طرح ۲۳ مئی کی شام سے ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء کی صبح تک میں صلاح الدین صاحب کے ساتھ رفیق افغان کی کار میں اسلام آباد کی تیز رفتار

زندگی کا مشاہدہ کرتا رہا لیکن یہ بات بھی میرے مشاہدے میں شامل تھی کہ جس کوٹھی میں رفیق افغان اور ان کی بیگم کا قیام ہے کیا اس کا کرایہ کوئی افغان تنظیم ادا کرتی ہے؟ کیونکہ نہ یہ صلاح الدین صاحب اور تکبیر کے بس کی بات تھی اور نہ رفیق اس حیثیت کے مالک تھے کہ ایسی کوٹھی میں رہ سکیں''۔

تقریباً دو سوا دو سال کا عرصہ جو سعدیہ انجم نے شادی کے بعد اسلام آباد میں رفیق افغان کے ساتھ گزارا ان کی ازدواجی زندگی کا گولڈن پریڈ کہا جاسکتا ہے سعدیہ، رفیق افغان کی کل توجہ، محبت اور دلچسپی کا مرکز تھی۔ لیکن ہنی مون کے اس عرصہ میں بھی رفیق افغان کے اخلاقی کردار کی کمزوری چھپی نہ رہ سکی۔ سعدیہ انجم اور عطیہ اقبال زیدی آپس میں سہیلیاں ہونے کی وجہ سے نہ صرف ایک دوسرے کے قریب تھیں بلکہ شادی کے بعد جب ایک شہر میں رہائش پذیر ہوئیں تو بھی دونوں کے درمیان دوستی کا ناطہ کمزور نہ ہوا۔ عطیہ اقبال زیدی اور ان کے شوہر محمود احمد فاروقی کے درمیان شادی کے اول روز سے ہی ناچاقی کا سلسلہ شروع تھا جس میں اکثر نرم گرم موڑ آتے رہتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ عطیہ محمود فاروقی سے لڑ جھگڑ کر سعدیہ انجم کے گھر چلی جاتی۔ ایک مرتبہ عطیہ، محمود فاروقی سے جھگڑا کر کے سعدیہ کے گھر چلی گئیں۔ رفیق افغان گھر میں موجود تھے انھوں نے سعدیہ سے کہا کہ تم چائے بنا کر لاؤ میں عطیہ سے بات کرتا ہوں۔ رفیق افغان نے عطیہ کی گفتگو سن کر فوراً ہی عطیہ کو محمود فاروقی سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ خود سے شادی کی آفر کر دی۔ یہ ایک موقع نہیں تھا۔ پھر ایک مرتبہ اپنے گھر سے عطیہ کو محمود فاروقی کے گھر گاڑی سے ڈراپ کرنے آئے تو

راستے میں کہا کہ مجھے آبپارہ سے فون کرنا ہے۔ عطیہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور گفتگو میں پھر عطیہ کو یہ تاثر دیا کہ اس کا یہ رشتہ غلط ہوا ہے اور وہ اسے اب بھی اپنانے کو تیار ہیں۔ عطیہ نے یہ سب گفتگو اور آفر گھر جا کر محمود فاروقی کو بتادی۔ محمود فاروقی نے عطیہ کو سخت سست کہا کہ تم اکیلے آدمی کے ساتھ آئی ہی کیوں؟ محمود فاروقی رفیق افغان کے متعلق یہ سب سن کر قطعی حیران نہ ہوئے انہیں رفیق کے اخلاق کردار کی بلندی و پستی کا اندازہ تھا۔ محمود فاروقی نے رفیق افغان سے قطع تعلق کرنا چاہا تو عطیہ نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ (رہنے دیں بات آگے بڑھے گی لوگ کیا کہیں گے۔ بدنامی ہوگی) ۔سعدیہ انجم اپنے شوہر کے ان خیالات سے بے خبر اپنے گھر کی جنت کو بنانے سنوارنے میں مصروف تھی۔ نومبر ۱۹۸۹ء میں محمد صلاح الدین نے اپنے گھر کی ذاتی لائبریری کے لئے سعدیہ انجم کے مشورے سے ملکہ افروز روہیلہ کا تقرر کیا۔ ملکہ کا پہلا تعارف سعدیہ انجم سے کراچی یونیورسٹی میں ہوا۔ جب سعدیہ شعبہ ابلاغ عامہ اور ملکہ شعبہ سیاسیات کی طالبہ تھی۔ یہ وہ دور تھا جب بیگم صلاح الدین نے اپنے سسر محمد شہاب الدین کی بیماری و تنہائی کی وجہ سے گھر سے باہر اپنا مطب وائنڈ اپ کر کے گھر کے اندر ہومیو ڈسپنسری شروع کر دی تھی۔ یوں جب ملکہ افروز نے گولیمار کے گھر سے محمد صلاح الدین کی ذاتی لائبریری میں ان کے پرانے ریکارڈ کی ڈرافٹنگ کا کام شروع کیا تو اسے بیگم قمر جہاں کا تعاون و محبت میسر رہی۔ ۸۹ء کے وسط میں نعیم عارفی کے داماد محمود احمد خان تکبیر کی ادارتی ٹیم میں شامل ہوئے اور جلد ہی ادارت کے صفحہ پر ان کا نام آنے لگا۔ محمد صلاح الدین پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے تکبیر میں ملازمتیں دینے کے معاملے میں اقربا پروری سے کام

لیا۔ اپنے رشتے داروں اور دوستوں کو نوازا، محمد صلاح الدین نے اپنے ہم ذلف شفیق احمد کو منیجر سرکولیشن، ایک رشتے کے بھانجے رفیق احمد کو شعبہ سرکولیشن میں اور ایک عزیز مرسلین شمسی کو منیجر پروڈکشن، اسی طرح اپنے ان دوستوں اور خیر خواہوں کو بھی انہوں نے یاد رکھا۔ جنہوں نے جسارت سے ان کی علیحدگی کے وقت انہیں بھلا دیا تھا۔ سید فیض الرحمٰن، سلمان شاہ رخ و دیگر! لیکن محمد صلاح الدین کا یہ عمل کسی کی حق تلفی یا زیادتی نہ تھا بلکہ وہ اسے اپنا اسلامی فرض سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ (پہلے گھر والوں، پھر عزیز قرابت داروں پھر دوستوں وغیرہ کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اسی ترتیب سے ضروری ہے اللہ نے ایک ادارہ بنا دیا ہے تو میرا فرض بنتا ہے کہ میں لوگوں کے حقوق اسی طرح ادا کروں)۔ ۲۶ اور ۲۷ جون ۹۰ء کی درمیانی شب دفتر تکبیر میں چوری اور توڑ پھوڑ کا سنگین واقعہ رونما ہوا۔ جس میں چھتیس ہزار پینسٹھ روپے کی چوری کے علاوہ پورے دفتر کو تلپٹ کر کے رکھ دیا گیا۔ شعبہ حسابات اور ادارت کے افراد کی میزوں، الماریوں کی ایک ایک چیز کی تلاشی لی گئی۔ واردات کی نوعیت اور ضروری کاغذات فائلوں اور ریکارڈ روم کی بڑے پیمانے پر تلاشی سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ یہ واردات کچھ خفیہ کاغذات و دستاویزات حاصل کرنے کی کوشش میں کی گئی جو ناکام رہی۔ واردات کا مقصد تکبیر میں بعض اہم شخصیات سے متعلق چھپنے والی بدعنوانیوں کے ثبوت پر مشتمل دستاویزات کی تلاش کے ساتھ ساتھ تکبیر کو سبق سکھانا بھی تھا۔ یہ وہ عرصہ تھا جب ۱۷ اگست ۸۸ء کو ہونے والے سانحہ بہاولپور کے بارے میں تکبیر میں تحقیقی رپورٹوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی وزارت میں ملک بدامنی، انتشار و تخریب کاری کے چنگل میں پھنستا جا رہا تھا۔ سانحہ

محمد صلاح الدین اپنے دوست سید فیض الرحمٰن کے ساتھ

بہاولپور کے بہت سارے حقائق سامنے آنے کے باوجود متعلقہ افراد یا اداروں کے خلاف کسی کاروائی کا آغاز نہیں ہو سکا تھا۔ اس وقت کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اسلم بیگ کے علاوہ کئی سنئیر افسران سول، فوجیوں کے مشتبہ ہونے کے شواہد پر تکبیر لکھ رہا تھا۔ ۶ اگست ۹۰ء کو پیپلز پارٹی کی حکومت پر صدر غلام اسحٰق خان نے بدعنوانی کے الزامات لگا کر برطرف کردی۔ نگراں وزیر اعظم کی حیثیت سے غلام مصطفیٰ جتوئی فرائض انجام دینے لگے۔ ۵ اگست ۹۰ء کو رفیق افغان کے والد حمید افغان ۶۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ۱۶ اگست ۹۰ء کو محمد صلاح الدین کے قریبی ساتھی، ہمدرد ہفت روزہ تکبیر کے نائب مدیر نعیم عارفی انتقال کر گئے۔ نعیم عارفی طائف میں ملازمت کرتے تھے۔ وہ ۱۹۸۶ء میں توسیع ملازمت کی پیشکش اور اصرار کے باوجود پاکستان آ گئے تھے۔ یہاں ادارہ تکبیر سے منسلک ہو کر اس کی تعمیر و ترقی کے لئے انہوں نے بڑی تندہی سے کام کیا۔ انہوں نے ادارتی اور انتظامی دونوں ذمہ داریاں سنبھالیں۔ وہ انگریزی، عربی اور فارسی سے بہت تیز اور رواں ترجمہ کرتے۔ انگریزی اور عربی میں مراسلت ان ہی کی ذمہ تھی۔ وہ نامکو سینٹر کی مسجد میں درس قرآن و درس حدیث بھی دیتے۔ بہت وسیع قلب، وسیع علم و صلاحیت کے مالک تھے۔ محمد صلاح الدین کا دہ دست و بازو تھے۔ محمد صلاح الدین ان سے کہا کرتے تھے نعیم صاحب اب آپ اور اصمعی صاحب یہ پرچہ سنبھالیں اور مجھے پاکستان ووٹرز فورم کے لئے فارغ کریں۔ کیونکہ میرے نزدیک نظام انتخابات کی تبدیلی کا معاملہ ملک کی بقاء اور سلامتی کا مسئلہ ہے۔ میں خود کو اس کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں"۔ جواب میں نعیم عارفی کہتے "صلاح الدین صاحب، اس دفتر میں ایک سے ۱۲ نمبر تک تو

آپ ہی آپ ہیں۔ پھر ۱۳، ۱۴ نمبر سے دوسروں کا شمار ہوتا ہے۔ آپ کے بغیر کام نہیں چلے گا۔"

"میں اگر کل دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو پھر بھی تو آپ کام چلائیں گے۔" محمد صلاح الدین جواب دیتے۔

لیکن قدرت نے نعیم عارفی کی زندگی کے سفر کا اختتام محمد صلاح الدین کی زندگی میں ہی کر دیا۔ انہیں اس کا گہرا دکھ پہنچا۔ محمد صلاح الدین کو قدرت نے گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ تحریری و تقریری صلاحیت کے ساتھ ان کی سماجی طبیعت انہیں ہمہ وقت تعمیری سرگرمیوں میں الجھائے رکھتی۔ وہ ملکی سیاسی افق پر چھائے ہوئے بدعنوانی کے بادلوں سے خائف ضرور تھے لیکن نا امید یا مایوس نہیں۔ ان کی دیرینہ خواہش تھی کہ اس ملک میں صاف شفاف سیاسی عمل کا آغاز ہو اور سیاست، بازار حسن کی طوائف کے بجائے صاحب کردار، نیک سیرت اور ایماندار افراد کا ایسا ایوان ہو جو اس ملک میں قرار واقعی تبدیلی لا سکے۔ انتخابات کے ذریعہ آنے والی تبدیلی صرف چہروں کی نہ ہو۔ ۲۰ ستمبر ۹۰ء کو انہوں نے پاکستان ووٹرز فورم نامی تنظیم قائم کی۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے انہوں نے کوشش کی کہ "انتخابات ۹۰ء میں اہل با صلاحیت اور ایماندار قیادت سامنے آ سکے۔ پر یہ وہ دور تھا جب ملک میں نادیدہ قوتیں پیپلز پارٹی کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے میں ہفت روزہ تکبیر کو دامے درمے استعمال کر رہی تھیں۔ آئی ایس آئی کے بطن سے ایم کیو ایم کے بعد اسلامی جمہوری اتحاد کے نام سے چھ بڑی چھوٹی سیاسی جماعتوں کا اتحاد جنم لے چکا تھا۔ جس کی سربراہی کا تاج میاں نواز شریف کے سر تھا۔ (اس بات کی تصدیق ۹۰ء کے بعد ملکی اخبارات میں آئی ایس آئی کے خفیہ فنڈ کے حوالے سے قاضی حسین احمد، نواز

شریف، مرزا اسلم بیگ کے بیان سے ہوجاتی ہے) اسلامی جمہوری اتحاد کی ملک گیر مہم جاری تھی۔ جس میں تکبیر، محمد صلاح الدین نمایاں کردار ادا کررہے تھے۔ محمد صلاح الدین صدق دل سے یہ چاہتے تھے کہ ۲۴ اکتوبر ۹۰ء کے انتخابات میں عوام کو صحیح بے داغ قیادت میسر آئے۔ پیپلز پارٹی کے کالے کرتوتوں کے دستاویزی ثبوت تکبیر کی زینت بن رہے تھے۔ بینظیر بھٹو، نصرت بھٹو و بھٹو خاندان کی دیگر غیر اخلاقی سرگرمیوں کی تصویری رپورٹس بھی منظر عام پر آرہی تھیں۔ ان ساری ''تحقیقی رپورٹوں و تصاویر'' کا ماخذ کیا تھا؟ ان کے پیچھے وہ کونسا ہاتھ تھا جو خود پردے میں رہ کر پردہ کشائی کررہا تھا۔ اس بات سے قارئین کے ایک وسیع حلقے کو کوئی غرض نہ تھی۔ تکبیر کی سرکولیشن میں تیزی سے اضافہ ہورہا تھا۔ پھر اسلامی جمہوری اتحاد تحریک استحکام پاکستان، ایک بندہ خدا، ایک پاکستانی، تحریک تحفظ پاکستان جیسے ناموں سے اشتہارات کی تعداد بھی بڑھتی جارہی تھی۔ صرف اکتوبر ۹۰ء کے تیسرے ہفتے تکبیر میں فل پیج کے گیارہ اشتہارات مذکورہ ناموں سے لگائے گئے۔ لیکن محمد صلاح الدین کی ذاتی کوشش وکاوش کے باوجود بھی ۲۹ ستمبر ۹۰ء کو ہائی کورٹ نے ملک بھر میں قومی اسمبلی کے ۶۴ امیدواروں کی اہلیت کو چیلنج کیے گئے مقدمے کا فیصلہ ان امیدواروں کے حق میں دے کر سب اپیلیں مسترد کردیں۔ جس میں بے نظیر بھٹو کی اہلیت سے متعلق فیصلہ بھی شامل ہے۔ پورے ملک میں کوئی امیدوار نا اہل نہ نکلا اور رائے دہندگان کا یہ اختیار کہ آئین کے آرٹیکل ۶۲ میں درج شرائط امیدواری کے حوالے سے کسی امیدوار کی اہلیت کو ریٹرننگ آفیسر کے سامنے چیلنج کیا جاسکتا ہے پہلے ہی مرحلے پر دم توڑ گیا۔

اس ضمن میں محمد صلاح الدین نے ۱۸ اکتوبر ۹۰ء کے تکبیر میں اپنے تجزیہ میں جس طرح روشنی ڈالی وہ اپنی جگہ خود ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ مدیر تکبیر و تکبیر کے زاویہ نگاہ و فکری بالیدگی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے جسے ان کے بعد نادیدہ طاقتوں نے کس طرح روندا ملاحظہ کیجئے۔ ''انفرادی طور سے فیصلوں پر تبصرہ توہین عدالت کے ضمن میں آتا ہے اس لیے اس سے گریز کرتے ہوئے میں چند ایسے پہلوؤں پر توجہ دلانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جو فکری اور تصوراتی دائرے میں آتے ہیں اور میرے نزدیک عدالتی فیصلوں کی یکسانیت کا سبب بنے ہیں۔ رائے دہندگان کا یہ اختیار چونکہ خود میری حقیر کوششوں کا نتیجہ تھا اس لئے اس کے موثر نفاذ و اطلاق سے میری دلچسپی فطری تھی۔ پاکستان ووٹرز فورم کے کنوینر کی حیثیت سے میرا رابطہ ملک بھر میں ان رائے دہندگان کی بڑی تعداد سے رہا جنھوں نے اپنے اس اختیار کے استعمال کے لیے مجھ سے رجوع کیا اور مدد و رہنمائی چاہی۔ مجھے کراچی میں قومی اسمبلی کے حلقہ ۱۸۹ کی امیدوار بے نظیر، زرداری کے خلاف مولانا سید جمال الدین کاظمی اور مولانا غلام دستگیر افغانی اور دیگر پانچ رائے دہندگان کی طرف سے داخل کردہ اعتراضات پر ریٹرننگ افیسر کے ہاں اور بعد ازاں ہائی کورٹ میں جناب جسٹس ناصر اسلم زاہد، جناب جسٹس پیرزادہ اور جناب جسٹس مختار احمد جونیجو پر مشتمل انتخابی اپیل ٹریبونل میں سماعت کے دوران بحث کو سننے کا اتفاق ہوا۔ میرا مجموعی تاثر یہ ہے کہ کراچی میں اور پورے ملک میں ان اعتراضات کی سماعت مدعی اور مدعا علیہ کے لگے بندھے تعلق کو ذہن میں رکھتے ہوئے کی گئی اور نوعیت مقدمہ کی قطعی مختلف اور منفرد حیثیت کا صحیح ادراک نہیں کیا گیا۔ میں جس فکری اور تصوراتی پہلو پر توجہ دلانا

چاہتا ہوں اسی سے وفاقی شرعی عدالت میں اس مقدمہ کی کاروائی کا آغاز ہوا تھا۔ میرے وکیل ملک کے معروف قانون داں جناب خالد ایم اسحٰق تھے۔ جنہیں میں کسی مبالغہ کے بغیر شرائط اہلیت پر امیدواروں کو چیلنج کرنے کے اختیار کے حوالے سے پاکستان کے پانچ کروڑ ووٹروں کا محسن قرار دیتا ہوں۔ وہ ابتدائی سماعت کے دوران ایک دن علالت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تو چیف جسٹس جناب محمد گل کی اجازت سے میں نے چند معروضات پیش کیں۔ ان ہی معروضات نے مقدمہ کو وہ مختلف اور منفرد حیثیت دینے میں عدالت کی مدد کی جس کی جانب میں اشارہ کر چکا ہوں۔ یہی پہلو اب انتخابی عذرداریوں کے مرحلے میں ہمارے ملک کی عدالتوں کے پیش نظر رہتا تو نتائج وہ نہ نکلتے جو سامنے آئے ہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ عدالت پہلے یہ طے کرے کہ امیدوار اور رائے دہندہ کے باہمی تعلق کی اصل نوعیت کیا ہے؟ میرے نزدیک امیدوار (Candidate) ایک درخواست گزار (Appi cant) ہے اور رائے دہندہ (Voter) تقرر کا اختیار رکھنے والی اتھارٹی (Appointing Authorty) درخواست گزار اس اتھارٹی سے یہ گزارش کرتا ہے کہ وہ اسے مقررہ مدت کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کر دے ووٹ درحقیقت ایک تقرر نامہ Letter of Appointment) ہے۔ رائے دہندگان مختلف امیدواروں میں سے جس کے حق میں کثرت سے یہ تقرر نامہ جاری کر دیتے ہیں وہ ان کے نمائندے کا منصب سنبھال لیتا ہے اور اختیارات و وسائل کی امانتیں اس کی تحویل میں دے دی جاتی ہیں۔ اب یہ دنیا بھر کا مسلمہ اصول ہے کہ تقرر کی مجاز اتھارٹی کو درخواست کی اہلیت کو جانچنے پرکھنے کا اختیار ہوتا ہے اور اعتراضات کا تسلی بخش جواب

دے کر اپنی اہلیت کو ثابت کرنا اور مجاز اتھارٹی کو مطمئن کرنا امیدوار کی ذمہ داری ہے اس کا بار معترض پر نہیں ڈالا جاسکتا آخر اسی ایک معاملہ میں تقرر کا اختیار رکھنے والی اتھارٹی کو درخواست گزار کی اہلیت پر اعتراض کے اختیار سے محروم کیوں رکھا گیا ہے؟ عدالت کے اس سوال پر کہ آخر یہ اختیار سب ہی رائے دہندگان کو کیوں دیا جائے؟ میں نے عرض کیا تھا کہ وفاقی شرعی عدالت میں چونکہ بحث قرآن وسنت کے حوالے سے ہو رہی ہے اس لئے میں یہاں قانون شہادت کے حوالہ دوں گا۔ اس موقع پر چند آیات اور حدیث پیش کی گئیں۔ جن میں بنیادی حوالہ یہ آیت ہے۔ ترجمہ: ''اے لوگو، جو ایمان لائے ہو، انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو، اگر چہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تم اپنی خواہش نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔'' (۴۔۱۳۵) میرا استدلال یہ تھا کہ سچی گواہی دینا اللہ کی طرف سے عائد ایک فریضہ ہے۔ پاکستان کے آئین میں اللہ ہی مملکت کا مقتدر اعلیٰ ہے۔ اب اگر ایک رائے دہندہ کسی امیدوار کے بارے میں ایسی معلومات اور شہادت رکھتا ہے جو اسے نا اہل قرار دے دیتی ہیں تو ایسے اس گواہی سے کیسے روکا جاسکتا ہے۔ اگر ریٹرننگ آفیسر یا کوئی اور اعلیٰ اتھارٹی اس کی گواہی سننے سے انکار کرے گی تو وہ مقتدر اعلیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی مرتکب ہوگی۔ فاضل عدالت کے اس سوال پر کہ یہ اختیار ووٹر کا حق ہوگا یا اس کا فرض میں نے عرض کیا کہ اگر یہ حق ہوتا تو ووٹر کو

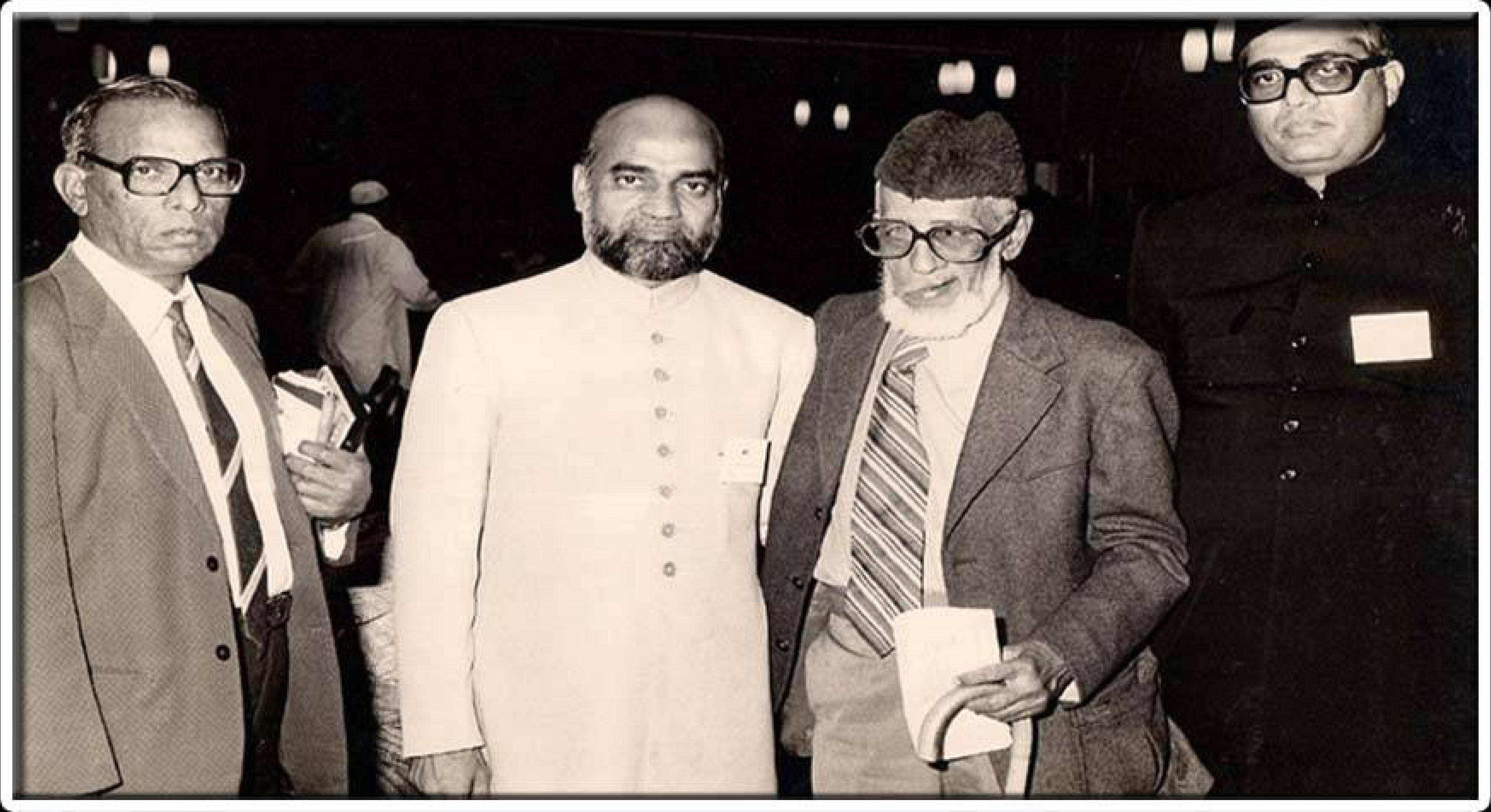

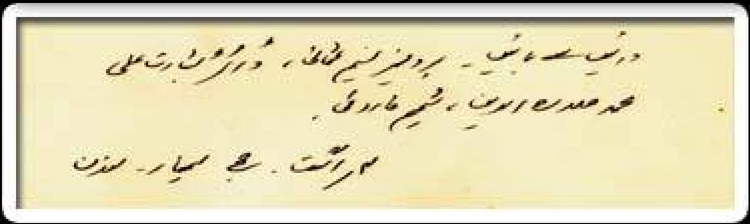

محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ کیپشن

اپنے اس حق سے دستبردار ہونے کا اختیار بھی حاصل ہوتا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے اس کی حیثیت فرض کی ہے جس کا ترک کرنا گناہ اور قابل تعزیر جرم ہے جس کے حکم پر ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اسی کا حکم ہے کہ خدا واسطے کے گواہ بنو، اس لیے یہ بھی فرض عین ہے۔ ووٹر اور امیدوار کے اس باہمی تعلق کو ذہن میں رکھا جائے تو جانچ پڑتال کے دوران نوعیت معاملہ یہ بنتی ہے کہ کئی امیدوار کے خلاف اعتراضات داخل کرنے والے رائے دہندہ کی حیثیت کی درخواست پر اعتراضات داخل کر کے ریٹرنگ آفیسر، اپیل ٹریونل یا الیکشن کمیشن کی حیثیت اس معاملہ میں سلیکشن اتھارٹی کی ہے۔ جس طرح کھیل کے میدان میں اتارنے سے قبل کھلاڑیوں کو اچھی طرح جانچا پرکھا جاتا ہے۔ ان کی جسمانی صحت، اخلاقی حالت، کھیل کی اہلیت اور دوسرے پہلوؤں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور خود کو انتخاب کا اہل ثابت کرنے کی پوری ذمہ داری متعلقہ امیدوار پر ڈالی جاتی ہے۔ اسی طرح الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ امیدواروں کو آئین کی شرائط اہلیت پر پرکھے اور اپنا پورا اطمینان کرے۔ جو لوگ اعتراضات داخل کرتے ہیں وہ اس کے معاون ہیں ان اعتراضات کا تسلی بخش جواب دینا اور اپنی اہلیت ثابت کرنا امیدوار کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں انتخابی قوانین نے ریٹرنگ آفیسروں کو امیدوار کی طلبی کا اختیار بھی دیا ہے۔ ریٹرنگ آفیسر یا انتخابی ٹریونل کی حیثیت چھلنی کی طرح ہے جس کا کام چھاننا اور نتھارنا ہے۔ معترض رائے دہندگان کو مطمئن کرنا اس لیے ضروری ہے کہ تقرر کی اصل اتھارٹی تو وہی ہے۔ الیکشن کمیشن اس کے عطا کردہ اختیارات اور تفویض کردہ فرائض کے

مطابق انتخابات کے انعقاد کا اہتمام کرنا ہے اس کے فرائض میں ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ جانچ پڑتال کے ذریعہ ایسے امید وار کا انتخاب کرے جو سب کے سب شرائط اہلیت پر پورے اترتے ہوں۔ اور جن میں سے کسی کا بھی انتخاب اس اطمینان کے ساتھ کیا جاسکے کہ وہ بہر حال کسی لحاظ سے نااہل نہیں۔ اس کی مثال حضرت عمر فاروق نے قائم کی تھی۔ انہوں نے پورے معاشرے میں خلافت کے لئے چھ افراد کو نامزد کیا اور مسلمانوں کو آزادی دی کہ ان میں سے جس کا چاہو انتخاب کرلو، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تم آزاد ہو اپنے میں سے جس کا چاہو انتخاب کرلو، قیادت کے لئے خیر امت ہونے کی جو شرط عائد کی گئی ہے اس کے پیش نظر انہوں نے بہترین افراد کی نشاندہی کردی۔ یہی کام ہمارے الیکشن کمیشن کا ہے کہ وہ آئین کی شرائط اہلیت کو سامنے رکھ کر سلیکشن کے مرحلے میں پوری چھان پھٹک سے کام لے اور جو لوگ شہادتیں لے کر آئیں ان کی مدد سے امیدواروں کی اسکریننگ کرے۔"

۲۴ اکتوبر ۹۰ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی میں اسلامی جمہوری اتحاد نے واضح اکثریت سے کامیابی حاصل کرلی۔ تکبیر نے ٹائٹل پر سرخی جمائی "پاکستان جیت گیا امریکہ ہار گیا"۔ مہاجر قومی موومنٹ نے انتخابات میں حق پرست گروپ کی حیثیت سے شرکت کی اور قومی اسمبلی کی پندرہ نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی۔ جماعت اسلامی کے اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے ۸ امیدوار کامیاب ہوئے۔ ۴ دسمبر ۹۰ء کی شب رفیق افغان کے گھر G-9 اسلام آباد میں نامعلوم افراد نے نقب زنی کر کے رفیق افغان کی

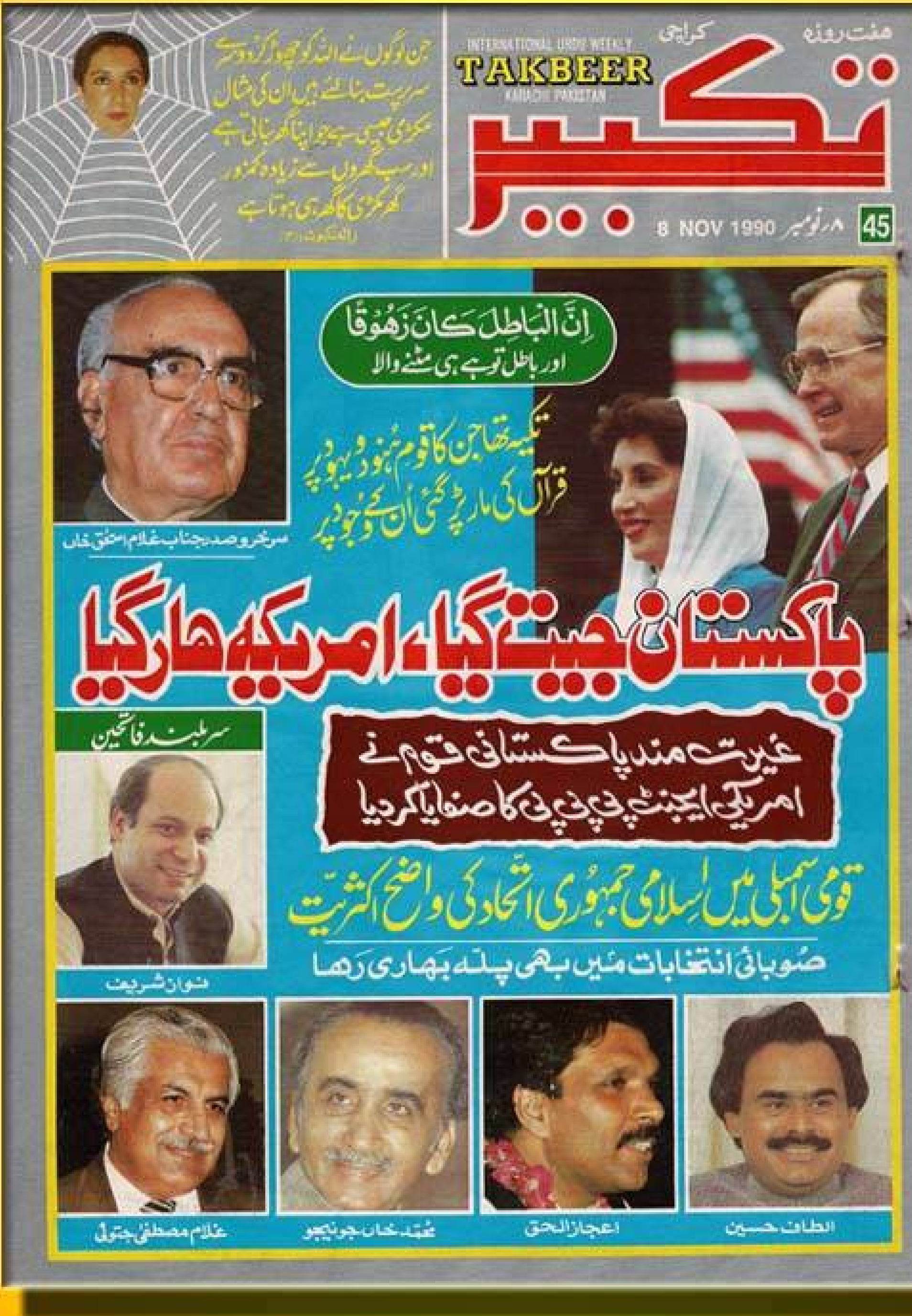
ہفت روزہ

کراچی

INTERNATIONAL URDU WEEKLY

TAKBEER

KARACHI PAKISTAN

تکبیر

45

۸ر نومبر 8 NOV 1990

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے
سرپرست بنالئے ہیں ان کی مثال
مکڑی جیسی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے
اور سب گھروں سے زیادہ کمزور
گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے
(العنکبوت: ۴۱)

اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا
اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا

تکیہ تھا جن کا قوم ہنود و یہود پر
قرآں کی مار پڑ گئی ان کے وجود پر

سرخرو صدر جناب غلام اسحٰق خاں

پاکستان جیت گیا، امریکہ ہار گیا

غیرت مند پاکستانی قوم نے
امریکی ایجنٹ پی پی پی کا صفایا کر دیا

سربلند فاتحین

نواز شریف

قومی اسمبلی میں اسلامی جمہوری اتحاد کی واضح اکثریت

صوبائی انتخابات میں بھی پلہ بھاری رہا

غلام مصطفیٰ جتوئی

محمد خان جونیجو

اعجاز الحق

الطاف حسین

کار سے پندرہ ہزار کی مالیت کا سامان چرا لیا۔ کرولا کار نمبر ۹۲۹۔۳۶۷ بنگلے کے بیرون حصے میں مقفل دروازوں کے اندر کھڑی تھی۔ نہ معلوم چور دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہوئے اور کار کا دروازہ کھول کر ٹیپ ریکارڈ، اسپیکر کنسولی باکس، ایکوالائزر اور چند دوسری چیزیں نکال لے گئے۔ رفیق افغان نے شادی کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ وہ سعدیہ انجم کو لے کر افغانستان چلے جائیں گے اور وہیں اپنی مستقل رہائش رکھیں گے لیکن ۹۰ء میں ہی رفیق افغان نے محمد صلاح الدین کو ایسے اشارے دینے شروع کر دیے کہ وہ کراچی آکر ہفت روزہ تکبیر میں مدیر تکبیر کی ذمہ داریوں میں ہاتھ ہٹانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ عرصہ تھا جب تکبیر میں ادارتی وانتظامی امور بحسن وخوبی چل رہے تھے۔ مدیر اعلیٰ محمد صلاح الدین اور مدیر منتظم ثروت جمال اصمعی پرچے بہت خوبی وکامیابی سے چلا رہے تھے۔ محمد صلاح الدین کے لئے یہ ایک مشکل صورتحال تھی۔ داماد کی حیثیت سے رفیق افغان کے مزاج طبیعت کو محمد صلاح الدین نے کچھ جان اور سمجھ لیا تھا۔ چند باتوں پر سُسر اور داماد کے درمیان اختلافات بھی اسلام آباد میں وقوع پذیر ہو چکے تھے۔ اس لیے محمد صلاح الدین کو اندازہ تھا کہ رفیق افغان کی ادارے میں شمولیت کمانڈنگ چیئر ہی سے ہو سکے گی۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے انہوں نے منصوبہ بندی کی۔ تکبیر کو ایک پرچے کے ساتھ ساتھ ایک پھلتے پھولتے بڑھتے ادارے کے روپ میں دیکھنا بھی ان کی آرزو اور تمنا تھی۔ محمد صلاح الدین نے ثروت جمال اصمعی کے ساتھ مل کر تکبیر کے شعبہ تحقیق وتصنیف کی بنیاد رکھی۔ اس شعبے کی ذمہ داریوں میں کتابوں کی اشاعت، مختلف سیاسی، سماجی، معاشی موضوعات پر ریسرچ سروے، اخبارات میں آنے والی ڈیلی نیوز کی

ے ستمبر ۸۹ء محمد صلاح الدین (شہید) کے نام ثروت جمال اصمعی کا وہ خط جس میں انہوں نے سنجیدہ
تحریری کام کے لیے تکبیر سے علیحدگی کا خیال ظاہر کیا۔
تکبیر کا شعبہ تحقیق و تصنیف اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کا آغاز مدیر تکبیر نے ثروت جمال اصمعی
سے ذاتی وابستگی اور ادارہ تکبیر کو وسعت دینے کے لیے کیا۔

المحفوظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم صلاح الدین صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جو بات میں اس وقت آپ سے کہنے والا ہوں، غالباً وہ آپ کے لیے تو انتہائی غیر متوقع ہوگی لیکن میرے لیے مسلسل مہینوں کے سوچ بچار کا نتیجہ ہے۔ وہ بات یہ ہے کہ میں تکبیر سے مشن اور مقصد کا سرگرم اور بھرپور تعلق رکھنے کے باوجود، ملازمت کا تعلق جلد از جلد ختم کرنے کی اجازت کا انتہائی عاجزانہ اور مؤدّبانہ طور پر خواستگار ہوں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ میں مستقلاً اس بات کے شدید احساس اور اسی کی بناء پر مسلسل کوفت میں مبتلا ہوں کہ یہاں میرے وقت کا بہت کم حصّہ مفید طور پر استعمال ہو رہا ہے۔ بیشتر وقت دفتر میں سنجیدہ کام کا قطعی ماحول نہ ہونے کے سبب بالکل ضائع ہو رہا ہے۔ بہت سی چیزیں سوچتا ہوں، اُن پر کام کرنا چاہتا ہوں، لکھنا چاہتا ہوں لیکن دفتر میں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دفتر سے گھر آنے کے بعد یہاں کے مسائل اور مصروفیات ایسی بے پناہ ہوتی ہیں کہ کسی تحریری کام کے لیے وقت نکالنا محال ہوتا ہے۔ اس معاملے میں آپ کی مثال بالکل مستثنیات میں سے ہے۔ ہم مجھ جیسے عام اور معمولی آدمی کے لیے اس خاص اور غیر معمولی مثال کی تقلید ممکن نہیں۔ میرے پاس تو کام کے لیے وہی سات آٹھ گھنٹے ہوتے ہیں جو دفتر آنے جانے اور دفتر کے اندر روزانہ بڑی حد تک تقریباً بے مقصد یا ایسے کاموں میں صرف ہو جاتے ہیں جن کے مقابلے میں بہت زیادہ مفید کام اسی وقت میں کیے جا سکتے ہیں۔ اس صورتِ حال پر کوئی بھی شخص اُسی وقت مطمئن رہ سکتا ہے جب اس کا مقصد محض مہینے کے اختتام پر تنخواہ وصول کرنا ہو اور وہ بس نوکری برائے نوکری ہی کر رہا ہو۔ لیکن اگر کوئی اپنے اوقات کے زیادہ سے زیادہ مفید اور بامقصد استعمال کا خواہشمند ہو تو پھر اس صورتِ حال کو اُس کے لیے بہرکیف شدید کڑھن اور کوفت کا سبب بننا ہی چاہیے۔ پھر میں دفتر میں ہر ہفتے بس پرچے کی ترتیب و پیسٹنگ کو کوئی بھی ایسا کام نہیں سمجھتا جو بس میرا مستقل وظیفہ بن کر رہ جائے۔ تکبیر کی ابتدا جن بحرانی حالات میں ہوئی تھی، جسارت میں جو واقعات پیش آئے تھے اور پھر حالات کی جو شکل بنی تھی، اُن حالات میں میں نے تکبیر کی بہرصورت کامیابی کو خود اپنے لیے بھی ایک چیلنج سمجھا تھا لہٰذا اس وقت تکبیر میں ترتیب اور پیسٹنگ

کا جو کام مجھے ملا، اُسے میں نے حتی الامکان پوری محنت اور خوش دلی سے انجام دینے کی کوشش کی اور چند ماہ پہلے تک مکمل طور پر یہ کام میں ہی کرتا رہا۔ اس دوران مجھے برابر مجھے یہ احساس رہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو تھوڑی بہت صلاحیت مجھے دی ہے، اُسے میں اس سے بہتر طور پر استعمال کر سکتا ہوں لیکن چونکہ تکبیر کو اس کام کے لیے میرا کوئی متبادل دستیاب نہیں تھا اس لیے میں کسی شکوے شکایت کے بغیر یہ کام انجام دیتا رہا اور کسی متبادل انتظام کا منتظر رہا کہ ایسا ہو جائے تو آپ سے کہوں کہ اب میں اپنے وقت کو زیادہ بہتر طور پر سنجیدہ تحریری کام کے لیے استعمال کرنے کی خاطر تکبیر سے ملازمت کا تعلق ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اب چونکہ آپ کے پاس ان کاموں کے لیے خاصا عملہ اور متبادل انتظام موجود ہے بلکہ بیشتر کام اب نئے ساتھیوں نے سنبھال لیا ہے اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے اب یہ بات کرلی جائے۔

ممکن ہے کہ آپ یہ کہیں کہ یہ کام تکبیر کی ملازمت کے ساتھ ساتھ بھی تو ہو سکتا ہے لیکن میں یقینی طور پر سمجھتا ہوں کہ دفتر آمد و رفت کی شرط کے ساتھ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ دفتر میں سنجیدہ تحریری کام کی فضا کا پیدا ہونا محال ہے اور میرے پاس کام کے لیے اس کے سوا کوئی وقت نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر آپ چاہیں تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ میں "جائزہ" یا کسی دوسرے عنوان سے دیگر قلمی معاونین کی طرح ایک قلمی معاون کی حیثیت سے ہر ہفتے تکبیر میں لکھتا رہوں یا بعض موضوعات پر وقتاً فوقتاً تکبیر کے لیے کسی قدر ریسرچ ورک کر دیا کروں مثلاً پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کا مختلف ذیلی عنوانات مثلاً مہنگائی، جرائم، بدامنی، وعدہ خلافیاں، غلط بیانیاں وغیرہ کے تحت اخبارات کے فائلوں سے جائزہ یا ایسے ہی دیگر کام۔ لیکن دفتر میں روزانہ حاضری کی شرط اور باقاعدہ ملازمت کی صورت میں ان کاموں کی انجام دہی ممکن نہیں کیونکہ دفتر میں اس طرح کے کام کا ماحول نہ ساڑھے پانچ سال میں بن سکا ہے نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے۔

اب آپ یقیناً یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ تکبیر کی ملازمت بالکل چھوڑ کر یا کم از کم باقاعدہ ملازمت چھوڑ کر میں اپنے اوقات کو کس طرح اور کن کاموں میں استعمال کروں گا اور معاش کے بارے میں میں نے کیا سوچا ہے۔

تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ میں ذاتی طور پر تو جن موضوعات پر کام کرنا چاہتا ہوں اُن میں "بیسویں صدی کی اسلامی تحریکوں کا المیہ" "دورِ جدید میں دعوتِ دین کی حکمت" "اسلام میں مغربی جمہوریت کا پیوند" [illegible] "اسلام میں امامتِ نظم کا صحیح تصور" "دینی عناصر میں مفاہمت" "سوشلزم کی پسپائی" اور ایسے ہی کئی موضوعات ہیں جن پر میرے ذہن میں ابتدائی نکات ہیں اور تحقیق و محنت سے ان میں سے ہر موضوع پر انشاءاللہ مفید تصانیف تیار کی جا سکتی ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر میں گھر بیٹھ کر ان موضوعات پر لکھنا شروع کردوں تو دال روٹی کا بندوبست کہاں سے ہوگا۔ کیونکہ یہ تحریری کام تو صرف اپنے اندر کے خلفشار کی تسکین کے لیے ہوگا، باہر کی دنیا میں تو لوگ اس انتظار میں نہیں بیٹھے ہیں کہ یہ چیزیں سامنے آئیں اور وہ ان پر ٹوٹ پڑیں۔

اس لیے ان موضوعات پر بتدریج کام کے ساتھ ساتھ میں انشاءاللہ منتخب انگریزی کتابوں کے ترجمے کا کام کروں گا اور اس سلسلے میں اگر آپ پسند کریں تو ادارۂ مطبوعات تکبیر اور فاران کلب کے لیے میری خدمات حاضر ہوں گی۔ میں نہ صرف ترجمہ بلکہ کتابت، پروف ریڈنگ اور کاپی کی تیاری یعنی پریس بھیجنے سے پہلے تک کے تمام مراحل کی تکمیل کے لیے مناسب شرائط پر اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر آپ نے تکبیر کے لیے میری قلمی معاونت کی پیشکش منظور کرلی تو آمدنی کا ایک ذریعہ یہ بھی رہے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں ذرائع سے مجھے کم و بیش اتنی ماہانہ آمدنی ہوتی رہے جتنی فی الوقت ہے تاکہ میرے اس فیصلے سے گھر والے کسی آزمائش میں مبتلا نہ ہوں۔

مجھے معلوم ہے کہ اس وقت میرے اس فیصلے کو بہت سے لوگ عاقبت نا اندیشانہ قرار دیں گے کہ مشکل اور بحرانی دور میں تکبیر سے وابستہ رہنے کے بعد ملازمت کا تعلق اس وقت توڑ رہا ہوں جب وہ ماشاءاللہ ایک مستحکم ادارہ بن چکا ہے اور تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ لیکن موجودہ صورتِ حال کے اندر تکبیر میں میرا وقت اور جو تھوڑی بہت صلاحیتیں اللہ نے دی ہیں وہ جس طرح ضائع ہو رہی ہیں، اُن کی بنا پر میں ایک بار پھر اپنی زندگی کا ایک مشکل فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ اس سے پہلے بھی میں کئی ایسے فیصلے کر چکا ہوں مثلاً انجینئرنگ کی تعلیم چھوڑ کر اکنامکس کا شعبہ اختیار کر لینا، پھر اکنامکس سے صحافت میں آنا، پھر جسارت سے ۱۳ برس کا تعلق منقطع کرنا اور سب سے لڑائی مول لے کر تکبیر سے رشتہ جوڑ لینا۔

لیکن اللہ کے فضل سے وقت نے میرے یہ سارے فیصلے درست ثابت کیے اس لیے مجھے امید ہے کہ انشاءاللہ میرا یہ فیصلہ بھی اللہ کے دین کے لیے مجھے بہتر خدمت کا موقع فراہم کرے گا جبکہ تعاونوا علی البر والتقویٰ کی بنیاد پر انشاءاللہ تکبیر سے میرا سرگرم تعلق ہمیشہ برقرار رہے گا۔

آپ سے درخواست ہے کہ براہِ کرم میرے اس فیصلے کو خوش دلی کے ساتھ قبول فرمالیجیے اور میرے مخلص، بزرگ، دوست اور خیر خواہ کی حیثیت سے مستقبل کے اس سفر میں مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازیے، میری معاونت کیجیے، رہنمائی فرمائیے اور میری کامیابی کے لیے دعا کیجیے۔

والسلام

آپ کا بھائی

ثروت جمال اصمعی

۷ ستمبر ۸۹ء

انڈکسنگ اور ملکی و غیر ملکی مسائل و موضوعات پر سیمنار، مذاکرے و انٹرویوز کا سلسلہ، یہ وہ بنیادی خاکہ تھا جس پر شعبہ تحقیق و تصنیف کی بنیاد رکھی گئی۔ثروت جمال اصمعی کو اس شعبہ کا ڈائریکٹر بنایا تھا۔ناسکو سینٹر ہی میں تھرڈ فلور پر دفتر نمبر ١١ اور ٢ کے بعد دس نمبر کمرہ بھی خریدا گیا۔جو سعدیہ انجم کے نام سے رفیق افغان کے پیسوں سے خریدا گیا۔اس دفتر میں پارٹیشن و کیبن کا کام محمد صلاح الدین کے والد محمد شہاب الدین نے اپنے نگرانی میں کرایا۔یہ مرحوم کی زندگی کا آخری پروجیکٹ تھا۔٩٠ء کے آخر میں رفیق افغان سعدیہ انجم کے ہمراہ اسلام آباد سے کراچی مستقل طور پر شفٹ ہو گئے۔فروری ٩١ء سے ہفت روزہ تکبیر کے شعبہ تحقیق و تصنیف کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ثروت جمال اصمعی اس کے ڈائریکٹر اور معاون کے طور پر دو خواتین ملکہ افروز روہیلہ اور ثریا بانو کا تقرر عمل میں آیا۔رفیق افغان تکبیر کے مدیر منتظم بنا دیے گئے۔۵ جنوری کا دن محمد صلاح الدین کی زندگی میں یوں تو ہمیشہ سے اہمیت کا حامل چلا آرہا تھا کہ یہ ان کا جنم دن تھا۔لیکن ۵ جنوری ٩١ء کا دن محمد صلاح الدین کی زندگی کا یادگار دن اس وقت بن گیا جب ان کے والد محمد شہاب الدین برضائے الٰہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔یعنی ۵ جنوری کی وہ تاریخ جو وہ گزشتہ ۵۷ برس سے ان کی تاریخ ولادت کے طور پر ہر سال آتی رہی تھی ان کی بقیہ زندگی یعنی صرف ٣ سال تک ان کے والد محمد شہاب الدین کی برسی بن کر آئی اور اس غم کو تازہ کرتی رہی۔محمد صلاح الدین نے اپنے والد کی جدائی پر تجزیے میں لکھا۔"میں ٢٢ دسمبر ٩٠ء کو مسقط سے واپس آیا تو وہ ملیریا کی زد میں تھے۔بخار کئی بار تیزی سے اترا چڑھا، قے اور دستوں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ایلو پیتھک دواؤں سے انہیں الرجی تھی مگر مجبوراً ڈاکٹروں کی دوا دی تو منہ میں

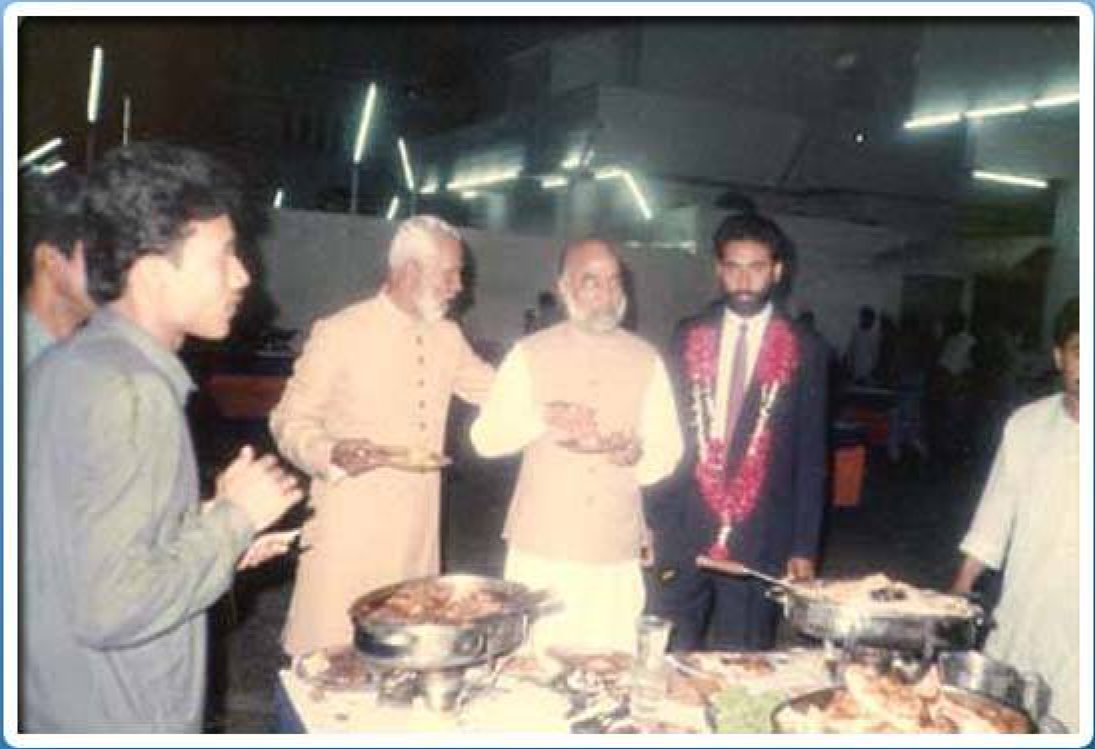

محمد صلاح الدین شہید ملکہ افروز روہیلہ کے بڑے بھائی محمد طارق روہیلہ کی
شادی کے موقع پر ملکہ کے چچا محمد شفاعت خان کے ساتھ

چھالے نکل آئے اور رقیق یا ٹھوس غذا کا معدے میں پہنچنا مشکل ہو گیا۔ سینے میں بلغم کا جماؤ بہت شدید تھا۔ ۵ جنوری ۹۱ء کو صبح ۱۱ بجے عباسی شہید اسپتال میں داخل کیا۔ ڈرپ لگی۔ آکسیجن دی گئی۔ رات ۱۰ بجے ڈاکٹروں کی طرف سے خون لانے کی ہدایت پر میں رفیق کے ہمراہ فاطمیہ فاؤنڈیشن پہنچا تو وہاں بجلی غائب تھی۔ نصف گھنٹے کا کام ڈیڑھ گھنٹے میں ہوا۔ ساڑھے گیارہ بجے اسپتال پہنچا تو یہ اندوہناک خبر ملی کہ وہ ۱۱ بج کر ۵ منٹ پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اہلیہ نے بتایا کہ آخری سانسوں میں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت زبان پر تھا۔ اور بار بار میرا پوچھ رہے تھے۔ فاطمیہ فاؤنڈیشن میں چھائے ہوئے چند گھڑی کے اندھیرے نے مجھے زندگی بھر کے لیے اس پچھتاوے اور حسرت کی اذیتناک تاریکی میں دھکیل دیا کہ میں دم آخر ان کے پاس کیوں نہ ہوا؟''

یکم جنوری ۱۹۸۶ء سے جاری ہونے والی تکبیر کی ۵ سالہ سرپرست قارئین اسکیم جس کی بدولت تکبیر کو نہ صرف مالی مدد حاصل ہوئی بلکہ تکبیر کا حلقہ قارئین بھی بڑھا۔ ۹۰ء کے اختتام پر اختتام پذیر ہو گئی۔ صحافتی دنیا میں تکبیر کا شمار اسلامی نظریاتی صحافت کی حیثیت سے بہت نمایاں ہوتا جا رہا تھا۔ نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ پوری دنیا میں بالعموم اور اسلامی دنیا میں بالخصوص پاکستانی اور اردو کے شائقین مسلمانوں کی اکثریت تکبیر کے اسلامی نظریاتی تشخص کو نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہی تھی بلکہ یہ اطمینان قلب بھی تھا کہ زرد صحافت و پروپیگنڈہ کی اس دنیا میں ایسا پرچہ بھی موجود ہے۔ جو حق و سچائی کا علم اٹھائے قرار واقعی جہاد کر رہا ہے۔ اس ضمن میں متعدد قارئین انتہائی دلسوزی کیساتھ تکبیر میں ایسے اشتہارات کی اشاعت سے گریز کا مشورہ دیتے جن میں خواتین کی

تصاویر ہوتیں ۔ ان کا کہنا تھا کہ اس طرح تکبیر بے پردگی اور بے حیائی کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہے۔ جبکہ دوسری برائیوں کی طرح اسے ختم کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہے۔ اس کے جواب میں تکبیر نے اپنے قارئین کے اعتراضات پر یہ وضاحت جاری کی کہ ”اصولی طور پر ہم ان کے اس موقف سے بھی پوری طرح متفق ہیں کہ تکبیر میں اسے اشتہارات شائع نہیں ہونے چاہئیں اس کے باوجود وقتاً فوقتاً اسے اشتہارات کیوں شائع ہوتے ہیں؟ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس پر ہمارے قارئین ہمارے احتساب کا پورا حق رکھتے ہیں اور ہم خود کو ان کے سامنے جوابدہ ہی کا پابند سمجھتے ہیں۔ ہم کوشش تو کرتے ہیں کہ ہمیں جو اشتہارات دیئے جائیں ان میں زنانہ تصاویر بالکل نہ ہوں تاہم بدرجہ مجبوری اگر تصاویر کے ساتھ اشتہار لینا ہی پڑے تو یہ اہتمام ملحوظ رہتا ہے کہ اس میں عریانیت نہ ہو۔ اشتہار میں چہرہ تو ظاہر ہے کہ نہیں ڈھانکا جاسکتا لیکن جسم کی نمائش والے اشتہار قبول نہیں کیے جاتے۔ موجودہ حالات میں شاید اس سے زیادہ احتیاط ممکن نہیں لیکن آئندہ ہمارے لیے دوسرے راستے کھلے تو انشاءاللہ ہم زنانہ تصاویر والے اشتہارات کی اشاعت سے قطعی گریز کرینگے۔“

۷ جنوری ۹۱ء کو وزیر اعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف نے مدیر تکبیر کے گھر آکر ان کے والد محمد شہاب الدین کی تعزیت کی۔ افغانستان میں جاری خانہ جنگی کی راکھ میں دبی چنگاری کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر خلیج کی جنگ کے بادل چھائے ہوتے تھے۔ عراق پر امریکہ و یورپ کے حملوں نے پورے مشرق وسطیٰ میں ایک تباہ و ہولناک جنگ کے امکانات کو بڑھا دیا تھا۔ تکبیر نے اس موقع پر

اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے معروضی طرز صحافت کے ساتھ عالم اسلامی کی یکجہتی کے مقصد کو پیش نظر رکھا۔ خلیج کے مسئلے پر ایک بار پھر تکبیر اور جماعت اسلامی کے موقف میں واضح فرق و بعد دکھائی دیا۔ اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ایم کیو ایم کے اندر کی کہانیوں کی اشاعت سے پرچے کی سرکولیشن میں دن بہ دن اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ایم کیو ایم کے خلاف رپورٹوں کے ردعمل کے طور پر تکبیر کے خلاف ایم کیو ایم نے ایک مہم شروع کررکھی تھی۔ محمد صلاح الدین، ثروت جمال اصمعی کے گھروں پر دھمکیاں آمیز فون ایجنٹوں کو دھمکیاں، اسٹالوں سے تازہ شمارے اٹھالینا معمول بنتا جارہا تھا۔ اب کوئی بھی ٹائٹل ایم کیو ایم کی اسٹوری کے بغیر نہ مکمل ہوتا۔ ہر ٹائٹل دونوں فریقین (تکبیر اور ایم کیو ایم) کے مابین نئی جنگ نئی محاذ آرائی کا نقشہ پیش کرتا نظر آتا مثلاً

''تکبیر کو جبر وتشدد کا نشانہ بنانے والے قائد تحریک سن لیں!

جو تم کہو گے نہیں کہیں گے، جو تم کرو گے نہیں کریں گے

نہ آدمی ہم تمہارے جیسے، جفا کرو گے دعا کریں گے۔

جمعہ ۲۲ مارچ ۹۱ء کی علی الصبح ہفت روزہ تکبیر کے دفتر واقع ناسکو سنٹر میں مسلح افراد نے آگ لگادی جس کے نتیجے میں دفتر کا فرنیچر، کتابیں، تکبیر کے شماروں کی فائلیں اور دیگر اہم کاغذات جل کر تباہ ہو گئے۔ تکبیر کے دفتر پر ڈیوٹی پر مامور دو پولیس گارڈ موقع واردت سے غائب تھے۔ جمع کی صبح جس وقت نامعلوم افراد نے عمارت کے چوکیدار شاہ ذرین کو قابو میں کرنے کے بعد تکبیر کے دفتر میں

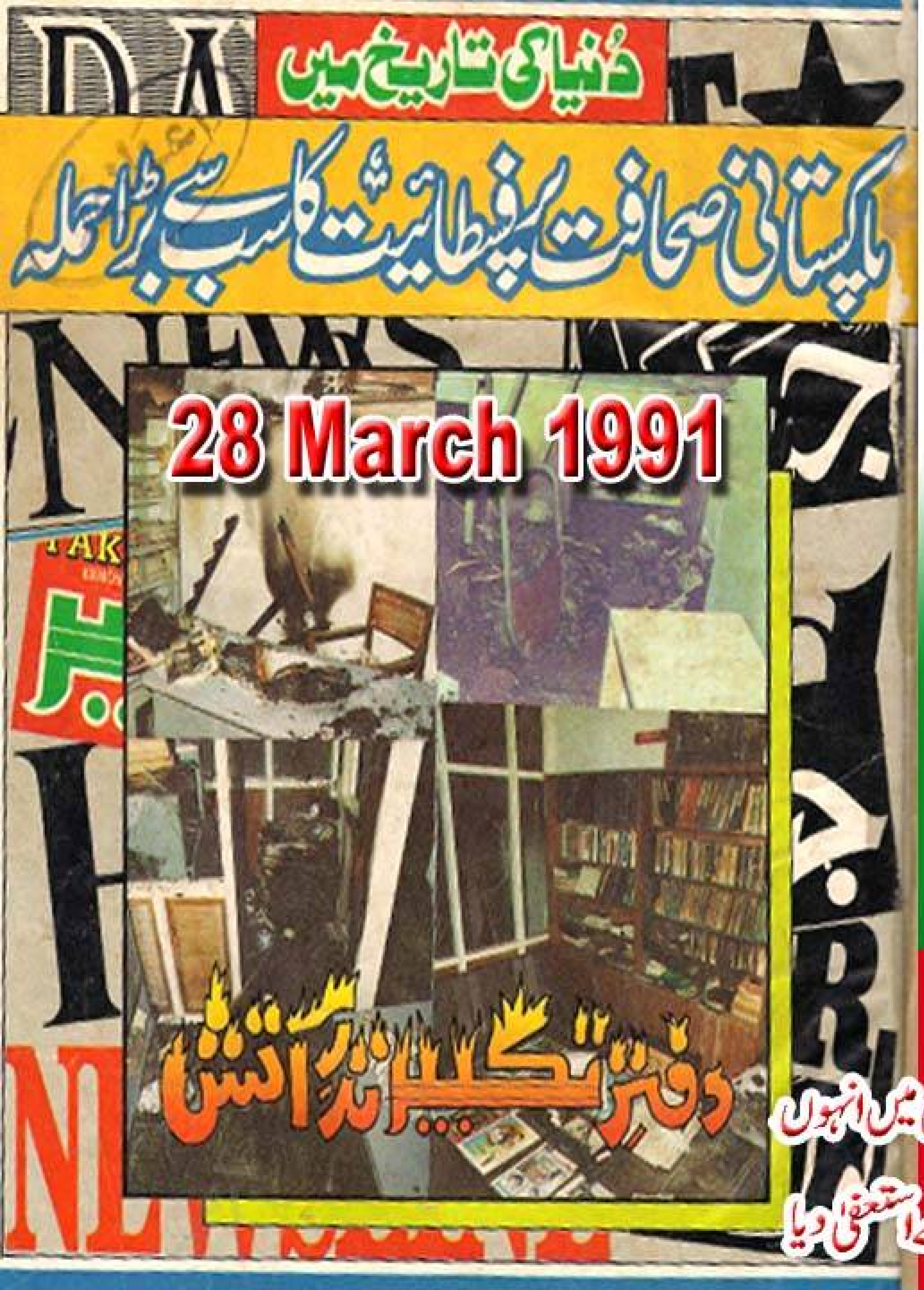

محترم جناب عارف نظامی صاحب
صدر سی پی این ای
مدیر دی نیشن' لاہور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

اے پی این ایس اور سی پی این ای کے عہدیداروں کی مشترکہ کمیٹی نے کراچی میں اخبارات وجرائد کے خلاف ۲ روزہ پر تشدد مہم کے سلسلہ میں ایم کیو ایم کی قیادت سے ۱۳ گھنٹے طویل مذاکرات کے بعد جو سمجھوتہ کیا ہے' وہ میرے نزدیک پاکستان کی قومی صحافت کی تاریخ میں ایک سیاہ باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سمجھوتے نے ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم کی حیثیت دے کر پیشہ صحافت سے وابستہ ہر فرد کو ضمیر کے اضطراب اور شدید ذہنی صدمہ سے دوچار کردیا ہے۔ میں اب ایک ایسی تنظیم سے' جو نہ صرف ہڑتال اور حملہ آور فریق کی خبروں کے بائیکاٹ جیسے معروف وموثر اقدام کے ذریعہ اپنی اجتماعی قوت کے استعمال سے گریزاں ہو بلکہ اس کے برعکس حملہ آور مجرموں کے حضور حاضر ہوکر ان سے شرمناک اور ذلت آمیز معاہدے کی راہ اختیار کرتی ہو' اپنی وابستگی برقرار رکھنے سے خود کو معذور پاتا ہوں۔

براہ کرم اس بے وزن اور انفرادی مفادات کے چنگل میں پھنسی ہوئی تنظیم سی پی این ای کی بنیادی رکنیت سے میرا استعفیٰ فوری طور پر قبول فرمالیجئے۔

میں چونکہ اس وقت تنظیم کا خازن ہوں' اس لئے آئندہ ماہ اجلاس عام میں حسابات کا گوشوارہ پیش کردینے کے بعد مجھے اس عہدے اور بنیادی رکنیت سے سبکدوش سمجھا جائے

محمد صلاح الدین
مدیر اعلیٰ تکبیر' کراچی

صدر سی پی این ای کے نام محمد صلاح الدین کے خط کا عکس جس میں انہوں نے سی پی این ای کی بنیادی رکنیت اور خزانچی کے عہدے سے استعفیٰ دیا

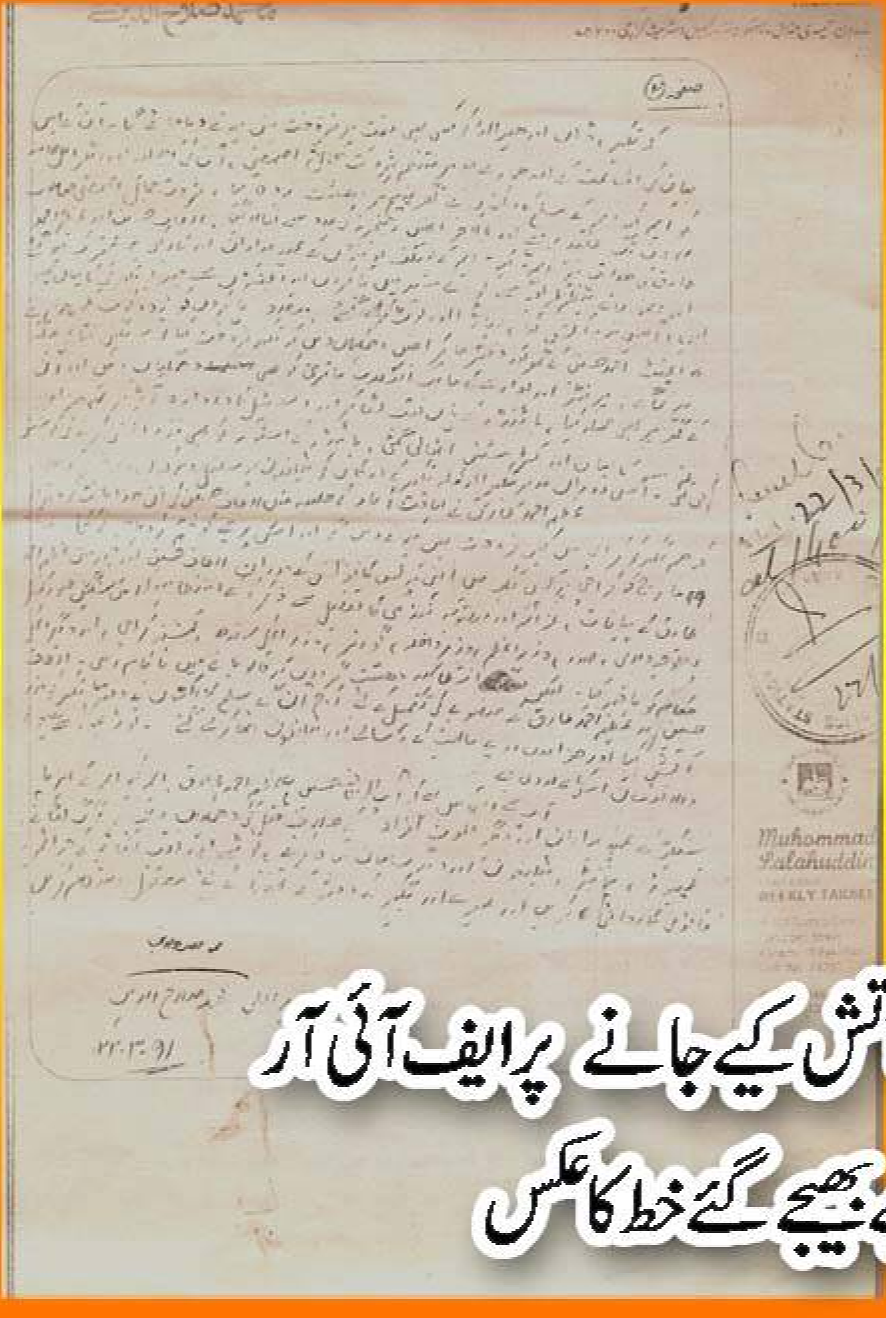

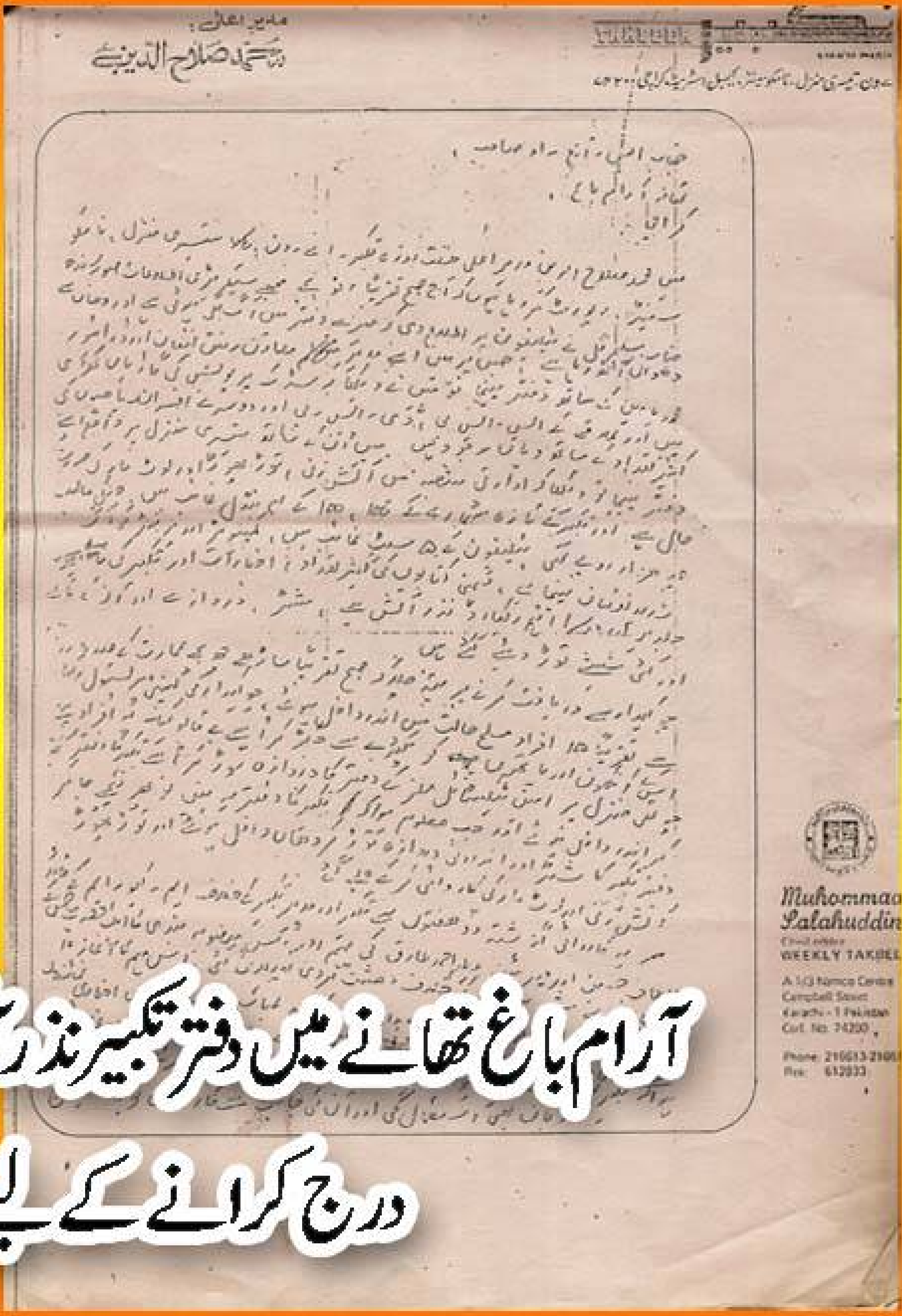

آرام باغ تھانے میں دفتر تکبیر نذر آتش کیے جانے پر ایف آئی آر درج کرانے کے لیے بھیجے گئے خط کا عکس

مجھے اب مقدمات سے کوئی دلچسپی نہیں

"میں سیاسی مصلحتوں کے تحت قانون کو کھلونا بنائے رکھنے میں معاون نہیں بن سکتا"

معاملہ اللہ کے سپرد کرچکا ہوں۔ اندراج مقدمات کے خواہشمند حکام کو مدیر تکبیر کا جواب

[illegible]

مدیر تکبیر کا تحریری بیان

[illegible]

محمد صلاح الدین
مدیر اعلیٰ "تکبیر"

اب مجھے مقدمات سے کوئی دلچسپی نہیں

محمد صلاح الدین

آگ لگائی تو ڈیوٹی پر مامور دونوں گارڈ کانسٹیبل رستم علی اور محمد اسحاق وہاں موجود نہ تھے۔ جنہیں بعد میں آرام باغ پولیس نے معطل کردیا۔ محمد صلاح الدین نے اپنے بیان پر مشتمل ایف آئی آر میں ایم کیو ایم کے دو بڑے قائدین کو ملزم نامزد کیا۔ ان میں الطاف حسین اور عظیم احمد طارق شامل تھے۔ الطاف حسین کے اُس بیان کو حوالہ بنایا گیا جو اس نے عباسی شہید اسپتال سے جاری کیا۔ جس میں محمد صلاح الدین کو یہودی کا ایجنٹ مسجد ضرار کا مولوی کہا گیا اور عظیم احمد طارق نے لیاقت آباد کے جلسے میں الطاف حسین کی ان ہدایات کو دہرایا کہ ''ہم تکبیر کو کراچی میں کہیں فروخت نہیں ہونے دیں گے''۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب میاں نواز شریف کی حکومت تھی۔ سندھ پر جام صادق براجمان تھا۔ ایم کیو ایم کی سرپرستانہ نادیدہ قوتیں ایک طرف تو ایم کیو ایم کو داخلی انتشار میں مبتلا کر کے ''باغیوں'' کی سرپرستی کر رہی تھیں تو دوسری جانب ایم کیو ایم کے ذریعہ تکبیر و مدیر تکبیر کا ناطقہ بند کرنے کی شرارتیں زوروں پر تھیں۔ اگر ان تمام حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو ایم کیو ایم کی حیثیت اس ''ہتھیار'' کی سی تھی جو مہاجر ہی کے خلاف ''مہاجر'' ہی کے کندھے پر رکھ کر چلایا جا رہا تھا۔ تکبیر میں شائع ہونے والی رپورٹوں کے ذریعہ دہشت گردی کی ایسی باریک تفصیلات دی جاتیں مثلاً ہتھیار کی ساخت سے لے کر گاڑیوں کے نمبرز، واردات کا وقت سمے، دہشت گردی کی منصوبہ بندی وغیرہ وغیرہ جسے پڑھ کر قطعی یہ گمان نہ گزرتا کہ یہ کسی صحافی کی تحقیقی کاوش ہے بلکہ یہ رپورٹیں پہلی نظر میں یہ تاثر پیدا کرتیں کہ شہر میں ہونے والی دہشت گردی جس منصوبے کا حصہ ہے یہ رپورٹیں بھی

اسی منصوبہ بندی کا حصہ بنیں۔ یہ گویا کراچی اور اہل کراچی کے ساتھ ایسی گہری سازش تھی جس کی کڑیاں آج بیس سال بعد جوڑنے بیٹھیں تو روح تک کانپ اٹھتی ہے کہ ''ان دیکھی طاقتوں نے اس شہر کے ساتھ اس شہر کی مہاجر عوام کے ساتھ اور اس شہر کی سائبان ہستیوں مثلاً محمد صلاح الدین، حکیم محمد سعید کے ساتھ کیا گیم کھیلا؟

''ایم کیوایم اور تکبیر'' نامی تجزیہ میں محمد صلاح الدین نے اصولی اختلافات کے پس منظر و پیش منظر پر روشنی ڈالی انہوں نے لکھا کہ ہمارے اختلافات فکری اور نظریاتی ہیں۔ ہماری دوستی اور دشمنی صرف اللہ کے لیے اور ہماری حمایت و مخالفت صرف پاکستان کی خاطر ہے۔ مدیر تکبیر نے اپریل ۹۱ء میں الطاف حسین کو قانونی نوٹس بھیجا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر الطاف حسین معذرت کرے جس بیان میں اس نے مدیر تکبیر کو منافقوں کی اولاد کہہ کر اشتعال انگیزی کی کوشش کی جس وجہ سے تکبیر کو نقصان اٹھانا پڑا۔

وزیر اعظم محمد نواز شریف نے تکبیر کو پہنچنے والے اس نقصان کی تلافی کے طور پر پانچ لاکھ کی رقم کا چیک ہفت روزہ تکبیر کو بطور امداد ارسال کیا لیکن محمد صلاح الدین نے یہ امداد یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ (میں یہ چیک اس درخواست کے ساتھ واپس کر رہا ہوں جس کہ اسے باقاعدہ اعلان کر کے دیا جانا چاہئے۔ خفیہ طور پر نہیں کیونکہ یہ کسی نقصان کی تلافی کے بجائے میرے لیے سخت نقصان دہ ثابت ہوگا۔ میری عمر بھر کی کمائی صرف عزت آبرو اور ساکھ ہے جسے کسی قیمت پر گنوانا مجھے گوارا نہیں میں پہلے ہی کردار کشی کی ایک مہم کی زد میں ہوں، نومنتخب جناب اشتیاق اظہر کا ایک شائع شدہ بیان اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ میں انہیں قانونی نوٹس دے چکا

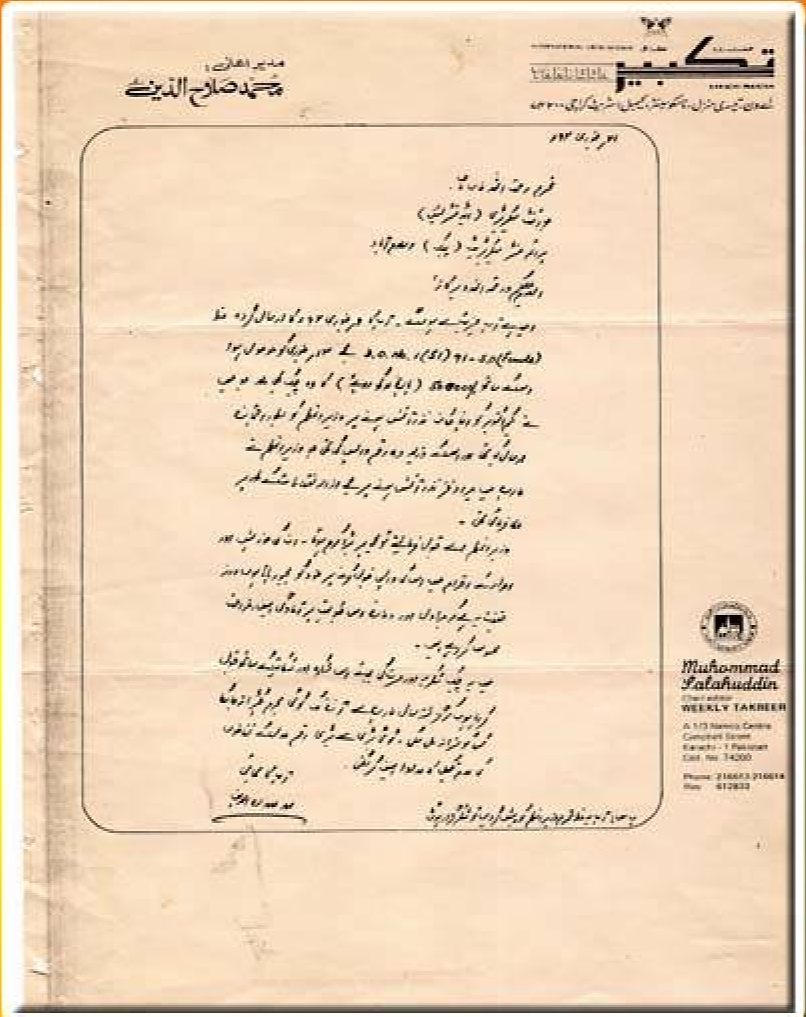

مدیر اعلیٰ

محمد صلاح الدین

تکبیر

Muhammad Salahuddin

Chief editor

WEEKLY TAKBEER

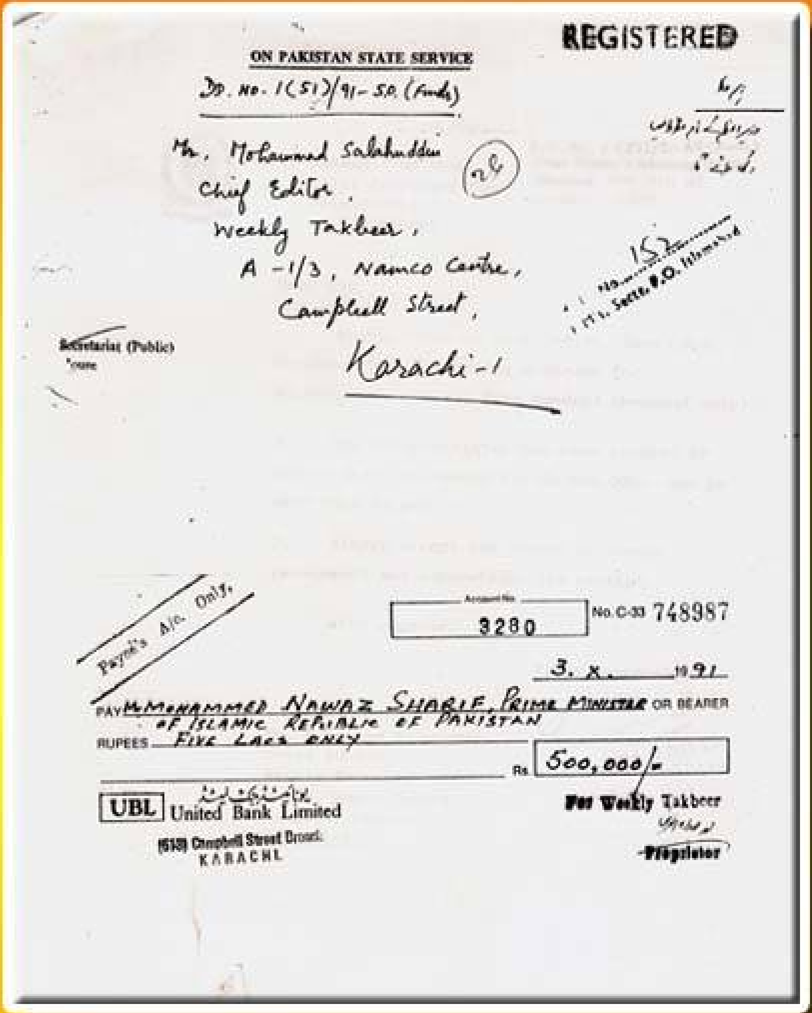

REGISTERED

ON PAKISTAN STATE SERVICE

D.O. No. 1(51)/91-S.O. (Funds)

Mr. Mohammad Salahuddin
Chief Editor,
Weekly Takbeer,
A-1/3, Namco Centre,
Campbell Street,
Karachi-1

Secretariat (Public)

Payee's A/c. Only.

Account No. 3280

No. C-33 748987

3. X. 1991

PAY Mr. MOHAMMED NAWAZ SHARIF, PRIME MINISTER OF ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN OR BEARER

RUPEES FIVE LACS ONLY

Rs. 500,000/-

UBL United Bank Limited

(513) Campbell Street Branch
KARACHI.

For Weekly Takbeer

Proprietor

محمد صلاح الدین کی جانب سے نواز شریف کو چیک واپسی کا خط

چیک کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

From: Rahmatullah Khan,
Joint Secretary(Admn)
Tele:817053
82008283

D.O.No. 1 (51)/91-SO.(Funds)
Prime Minister's Secretariat (Public)
Islamabad. the 9th of
January, 1992.

Dear Sir,

Kindly refer to your letter, dated 3rd October, 1991, enclosing a cheque for Rs.500,000/- (Rupees five hundred thousand only).

2. The Prime Minister has been pleased to desire that the cheque for Rs.500,000/- may be sent back to you.

3. Kindly accept the return of cheque (enclosed) and acknowledge its receipt.

With regards,

Yours sincerely,

9/1/92

Mr. Muhammad Salahuddin,
Chief Editor,
Weekly Takbeer,
A-1/3, Namco Centre,
Campbell Street,
Karachi-1

اصل چیک کا عکس

Payee's A/c. Only.

Account No. 3280 — No. C-33 748987

3. X. 1991

PAY Mr. MOHAMMED NAWAZ SHARIF, PRIME MINISTER OF ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN OR BEARER

RUPEES FIVE LACS ONLY

Rs. 500,000/-

UBL United Bank Limited — یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ

(938) Campbell Street Branch
KARACHI.

For Weekly Takbeer

Proprietor

وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے چیک قبول کرنے کی درخواست عکس

ہوں آپ کا عطا کردہ چیک اس نوعیت کے الزامات کی بنیاد بنے گا۔ اسے اعلان کر کے دینے میں کوئی امر مانع ہو تو براہ کرم اسے سرکاری خزانے کو واپس فرما دیجئے میں آپ کے جذبہ امداد کا ہمیشہ ممنون شکر گزار رہوں گا۔ میرے نقصانات کا ازالہ وہ ہستی کر دے گی جو لینے والوں کے مقابلے میں بہت زیادہ دینے پر قادر ہے۔)

ایک طرف تکبیر، ایم کیو ایم محاذ آرائی کا بازار گرم تھا تو دوسری طرف ہفت روزہ تکبیر میں مدیر منتظم کی تبدیلی کے بعد خاموش اور پراسرار سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ مدیر منتظم رفیق افغان نے چارج سنبھالتے ہی اگلے شمارے میں ایک مختصر سا اشتہار شائع کیا جس کا عنوان تھا ''جہاد افغانستان میں شرکت کرنے والے نوجوان متوجہ ہوں۔ ادارہ تکبیر جہاد افغانستان کے آغاز اس کی تاریخ اور مختلف مراحل کے بارے میں ایک مربوط کتاب کی تیاری کا پروگرام رکھتا ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں گزشتہ دس برسوں کے دوران جمع ہونے والے اہم مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ مواد سے انٹرویو اور جہاد میں شرکت کرنے والے پاکستانی اور عرب نوجوانوں کے تاثرات کے علاوہ اہم واقعات بھی شامل کیے جائیں گے۔ ادارہ ان تمام پاکستانی اور عرب نوجوانوں کے تاثرات کے علاوہ اہم واقعات بھی شامل کیے جائیں گے ادارہ ان تمام پاکستانی نوجوانوں سے جو عملاً جہاد میں حصہ لے چکے ہیں۔ درخواست کرتا ہے کہ وہ بذریعہ خط فیکس، ٹیکس، اور ٹیلیگرام دفتر تکبیر سے رابطہ قائم کریں۔ اور اپنے نام، پتے، جہاد افغانستان میں شرکت کا سال، مہینہ مقام اور مدت تحریری طور پر دفتر بھجوا دیں۔ ادارہ ان کے روانہ کردہ پتوں پر ان سے رابطہ قائم کر کے انہیں سوالنامہ فراہم کرے گا اس سوالنامے کے

کے جوابات بمعہ دو عدد تصاویر کے تکبیر کو موصول ہونے پر انہیں ایڈٹ کر کے کتاب کے مندرجات میں شامل کر لیا جائے گا،
یہ اشتہار مئی ۹۱ ء سے شروع ہو کر مسلسل کئی ہفتوں مہینوں تک چلتا رہا۔ اس اشتہار کے جواب میں سینکڑوں نوجوانوں تنظیموں اور جماعتوں کے کارکنان نے نہ صرف رابطہ کیا بلکہ اپنے مکمل کوائف اور جہاد میں شرکت کی تمام تفصیلات سے آگاہ کیا۔ لیکن چند ہی مہینوں میں جہادی تنظیموں و نوجوانوں میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ ان کے بھیجے ہوئے کوائف و تفصیلات تکبیر کے رفیق افغان کے ذریعہ خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئے۔ ان نوجوانوں کے گھروں پر چھاپے پڑنے لگے۔ بے شمار نوجوان اٹھا لیے گئے۔ کچھ ہمیشہ کے لئے غائب ہو گئے، کچھ کو تھریڈ کیا گیا بے شمار نوجوانوں کو ایجنسیوں نے اپنے کاموں کے لئے آفر کیں اور انکار کی صورت میں ایم کیو ایم کا الزام لگا کر جیلوں میں ڈال دیا، یا وہ بے چارے ''مقابلوں'' میں کام آگئے۔ یہ ایک ایسا سانحہ تھا جس کی خبر بہت عرصہ تک چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہی وہ آغاز تھا جب بعض حلقوں نے سرگوشی میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلاح الدین ایجنٹ، کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اس ساری تگ و دو کے پس منظر سے بے خبر تھے۔ انہیں یہی بتایا جاتا رہا کہ جہاد افغانستان پر کتاب کا کام جاری ہے حالانکہ دفتر تکبیر میں تو سرے سے ایسی کسی کتاب پر کام ہو ہی نہیں رہا تھا۔

ادارہ تکبیر میں دوسری نقب بھی جہاد افغانستان کے حوالے سے ہی لگائی گئی جب پرچے میں جہاد افغانستان کے حوالے سے ایک اشتہار شائع ہوتا رہا۔ بعنوان ''افغان شہدا کے یتیم بچے آپ کو پکار رہے ہیں''۔ اس اشتہار میں قارئین کو ترغیب دی گئی کہ وہ گھر

۲۳ مارچ 1991 کے شمارے کا عکس — جہادِ افغانستان پر شائع ہونے والے اشتہار کا عکس

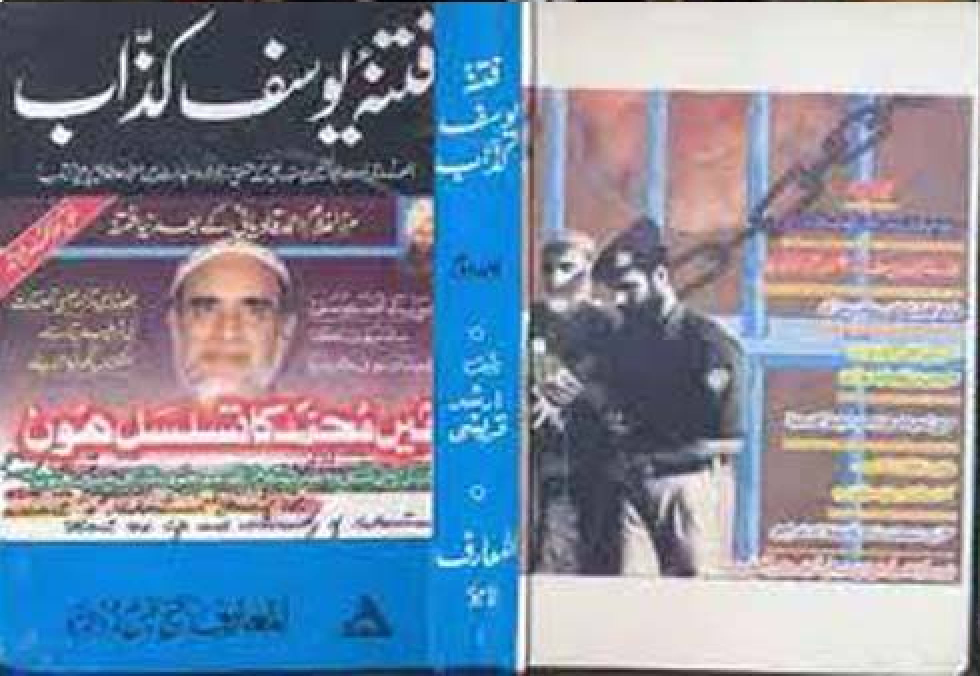

جہاد افغانستان

یتیم بچے
شہیدوں کی امانت
ہماری ذمہ داری

افغانستان میں ۵ لاکھ سے زائد بچے سایۂ پدری سے محروم ہیں۔ ان کی معصوم آنکھیں ہر روز اپنے شہید باپ کی راہ دیکھتی ہیں۔ شہیدوں کی یہ امانت اب ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ مغربی رفاہی ادارے خدمت کے نام پر نئی افغان نسل کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مسلم فلاحی تنظیم مسلم ایڈ انٹرنیشنل نے ان حالات میں ان لاکھوں یتیموں اور بیواؤں کی کفالت اور اسلامی خطوط پر تعلیم و تربیت کا بیڑہ اٹھا رکھا ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں اس کے زیر اہتمام ۱۲۰۰ سے زائد مدارس اور دستکاری سکھانے کے مراکز کام کر رہے ہیں۔ اس جہاد میں آپ درج ذیل طریقوں سے گھر بیٹھ کر بھی شرکت کر کے اپنے لئے توشۂ آخرت جمع کر سکتے ہیں۔

- ☐ صرف ۱۲۰۰ روپے ادا کر کے ایک یتیم کی سال بھر کی تعلیم کا خرچ اٹھائیے یا کسی معذور یا بیوہ کو دستکاری کی ایسی تربیت کا ایک سال کا خرچ فراہم کیجیے جو اُسے دوسروں کی محتاجگی سے ہمیشہ کے لیے نجات دلائے۔
- ☐ صرف ایک ہزار روپے دے کر کسی بیوہ کو مالی طور پر خود کفیل بنانے کے لیے سلائی مشین فراہم کیجیے۔
- ☐ ۱۵ ہزار روپے کے عطیہ سے پچاس بچوں پر مشتمل ایک مکمل قرآن اسکول کا سال بھر کا خرچ مہیا کیجیے۔

● اپنے تمام عطیات MUSLIM AID INTERNATIONAL کے نام بینک ڈرافٹ کی شکل میں حبیب بینک لمیٹڈ اکاؤنٹ نمبر 50121-67 پشاور کینٹ درج ذیل پتوں پر اس وضاحت کے ساتھ ارسال کیجیے کہ آپ کا عطیہ کس مد کے لیے ہے۔

آپ کے عطیات کی وصولیابی کی رسید فوراً روانہ کی جاتی ہے اگر کسی وجہ سے رسید آپ کو ابتک نہ مل سکی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیے تاکہ دوبارہ رسید ارسال کر دی جائے

ڈپٹی ڈائریکٹر مسلم ایڈ انٹرنیشنل
فلیٹ نمبر ۳۰۹-۳۰۷ تیسری منزل گل حاجی پلازہ جمرود روڈ پشاور
فون نمبر ۴۴۶۰۱، ۴۳۲۰۳ (۰۵۲۱) فیکس نمبر ۴۳۲۲۳-۰۵۲۱

برادر زید زمان (نمائندہ خصوصی)
16/12 آفیسرز کالونی سیٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی
کراچی: برادر رضوان طیب فون نمبر 434253
نوٹ: عطیات راولپنڈی کے پتہ پر ارسال کریں

بیٹھ کر صرف ایک افغان بچے یا بچی کی کفالت کا بوجھ اٹھا کر جہاد کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔ تمام عطیات کراس چیک یا بنک ڈرافٹ مسلم ایڈ کے نام بنا کر جس ایڈریس پر بھیجنے کو کہا گیا وہ تھا۔ زید زمان'' نمائندہ خصوصی (۱۳ بی بلاک ٦ پی ای سی ایچ ایس کراچی)۔ زید زمان دور طالب علمی میں رفیق افغان کا دوست بھی رہ چکا تھا۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ یہودی سیکورٹی کمپنی کا ملازم بھی تھا۔ جس کا تعارف چند سال بعد تکبیر میں ہی ملعون محمد یوسف کذاب کیس میں بحیثیت صحابی کے آیا۔ زید زمان کے متعلق روزنامہ خبریں ۹ اپریل ۹۹ کے اخبار میں فتنہ یوسف کذاب کے بارے میں لکھتا ہوا زید زمان کے بارے میں لکھتا ہے۔ ''۱۲ فروری ۹۷ء کو ملت پارک لاہور کے علاقہ میں واقع ایک مسجد بیت الرضا میں اپنی تقریر کے دوران اس لعنتی نے دو افراد عبد الواحد خان اور سید زید زمان کا اعلیٰ صحابی ہونے کا اعلان کیا اور پھر اپنی تقریر میں تقریباً سو سوا سو افراد کی موجودگی میں یہ بات کہی کہ خوش نصیبوں آج آپ کی محفل میں القرآن بھی موجود ہے۔ آج اس محفل میں سو صحابہ کرام موجود ہیں ایک صحابی اپنی جگہ پر نمونہ ہیں۔ ایک صحابی کا تعارف کرانے کو جی چاہتا ہے لیکن آج صرف ہم دو کا تعارف کرائیں گے۔ محمد عبد الواحد خان ایک ایسے صحابی ایک ایسے ولی اللہ ہیں پوری کائنات میں ان کا خاندان رسول سے سارے کا سارا وابستہ ہے۔ محمد رسول اللہ سے وابستہ ہو کر یہ خاندان محمد مصطفیٰ تک پہنچا ہے۔ اس کے بعد عبد الواحد نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور صحابی بننے کی مبارکباد وصول کی۔ پھر کذاب یوسف نے یہودی سیکورٹی کمیٹی کے ملازم سید زید زمان کا تعارف بھی صحابی کی حیثیت سے کرایا۔ اس نے بھی کھڑے ہو کر مختصر خطاب کیا۔ (کذاب یوسف کی

آڈیوکیسٹ کے یہ اقتباسات پولیس اور مقدمے کے ریکارڈ میں موجود ہیں جبکہ کیسٹ فائل مقدمہ بن چکی ہے)۔

مسلم ایڈ نے افغان جہاد کے نام پر کروڑوں روپے کا فنڈ حاصل کیا۔ بعد میں یہ ادارہ مسلم ایڈ انٹرنیشنل بن گیا۔ آپس کی چپقلش اور دولت کی ہوس نے امانتوں کو کس طرح ضائع کیا۔ اس کی تفصیلات اور رپورٹ کبھی بھی ہفت روزہ تکبیر کی زینت نہ بن سکی کیونکہ اس میں کچھ پردہ نشینوں کے نام اور پتے بھی شامل تھے۔ جون ۹۱ء میں رفیق افغان کی جانب سے ایک اور مختصر اپیل شائع ہوئی ”جہاد میں حصہ لیجئے۔ تکبیر رشوت ستانی، بدعنوانی، اختیارات کے ناجائز استعمال کو بے نقاب کرنے اور انہیں عوام کی عدالت میں پیش کرنے کے عمل میں آپ سے تعاون کا خواہاں ہے اگر آپ کسی سنگین بے قاعدگی کا نشانہ بنے ہیں اس کے گواہ ہیں یا کسی خلاف قانون کام پر عملدرآمد کے لئے مجبور کر دیے گئے ہیں۔ تو ازراہ کرم اس واقعہ کی مکمل تفصیل بمعہ ضروری دستاویزت کے تکبیر کو روانہ کر دیجئے ظلم کے خلاف مورچہ بندی میں تعاون کیجئے“۔ بظاہر یہ اپیل بدعنوانی کے خلاف ایک عمدہ پلیٹ فارم مہیا کرتی نظر آتی ہے مگر درحقیقت یہ اس بلیک میلنگ جرنلزم کی ابتداء تھی جس نے تکبیر میں بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے تھے۔ بدعنوانی کی دستاویزی ثبوت ہاتھ آنے کے بعد متعلقہ فرد یا محکمے سے پیسے بنانا ایک ایسے شخص کے لیے کچھ مشکل نہ تھا جس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ہی روپے پیسے کی چکاچوند سے کیا ہو۔ دفتر تکبیر نذر آتش ہونے کے بعد دفتر اور محمد صلاح الدین کے گھر پر پولیس پہرہ لگا دیا گیا۔ گو کہ محمد صلاح الدین ایسی کسی سرکاری چوکیداری کے شدید مخالف تھے لیکن یہاں بھی ان کی ایک نہ چلنے دی گئی اور انہیں

سرکاری گارڈ مہیا کر کے گویا صحافی کو سرکار کا پابند اور صحافت کو آزادی مہیا کرنے کا تاثر دیا گیا۔

اپریل ۹۱ ء سے مہاجر قومی موومنٹ نے وفاقی حکومت یا سرکاری ایجنسیوں پر اپنے خلاف سازشوں کا الزام لگانا شروع کر دیا تھا۔ اپریل میں تکبیر نے لانڈھی، کورنگی آپریشن پر اداریہ لکھا کئی رپورٹیں شائع کیں۔ ۲۸ جون تا ۴ جولائی کے شمارے کے ٹائٹل پر سرخی تھی ''لانڈھی تین دن میدان جنگ بنا رہا۔ جبکہ اداریے کا عنوان تھا ''سندھ کی ابتر صورتحال'' ۸ ستمبر ۹۱ ء کو الطاف حسین عمرہ کرنے سعودی عرب گیا تو نہ صرف سعودی عرب میں اس کی شخصیت کے متعلق محیر العقول واقعات کی خبریں اخبارات کی زینت بننے لگیں بلکہ پاکستان میں اس کی تصویر کرٹن کے پتے پر نمودار ہونے کے واقعات بھی پیش آنے لگے۔ ''بعض نادیدہ قوتوں'' نے ایم کیو ایم کو شخصیت پرستی کے ایسے اندھے کنویں میں دھکیل دیا۔ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ کھلا نہ رکھا گیا۔ ۱۷ ستمبر ۹۱ ء کو الطاف حسین کی سالگرہ کا جشن منانے کا اعلان کر دیا گیا۔ جس کے لیے الطاف حسین ۱۶ ستمبر کو ہی سعودی عرب سے واپس آ گیا۔ ۱۷ ستمبر ۹۱ ء کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول کے قریب تھی۔ ۱۲ ربیع الاول پوری دنیا کے مسلمانوں میں عموماً میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر منائی جاتی ہے۔ پاکستان میں بالخصوص جشن میلاد النبی گذشتہ دو تین دہائیوں سے بہت زور و شور سے ہونے لگا ہے۔ ۹۱ ء میں جب مہاجر قومی موومنٹ نے عید میلاد القائد کو بہت تزک شان، خراج عقیدت کے انداز میں منایا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عید میلاد النبی پس پردہ چلی گئی یہ ایک ایسا سانحہ تھا جس پر دینی و مذہبی جماعتوں، کو ضرور ہی گرفت کرنی چاہئے تھی۔ لیکن پورے شہر میں ایم کیو ایم کی پر

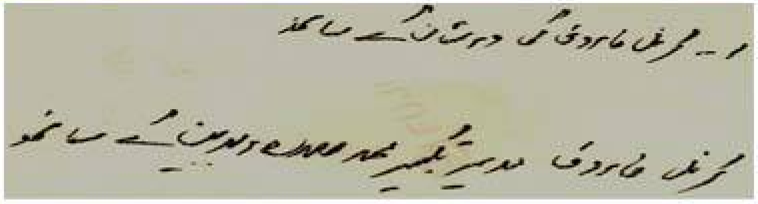

محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ کیپشن

تشدد سیاست کا طوطی بول رہا تھا۔ کسی دینی و مذہبی جماعت میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ اس موضوع پر آواز یا قلم اٹھاتی ہفت روزہ تکبیر، ہی وہ واحد آواز تھی جو اُٹھ رہی تھی۔ لہٰذا ۱۳۱ اکتوبر ۹۱ء کے پرچے میں تکبیر کے اداریہ نویس پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ نے اپنے اداریے بعنوان ”الطاف حسین اور ان کے عقیدت مند اللہ سے معافی مانگیں!“ میں لکھا۔ ”تقریب میلاد جسے عرف عام میں سالگرہ یا جشن پیدائش بھی کہا جاتا ہے اسلامی روایت نہیں ہے۔ یہ مسیحی روایت ہے اور ان مسلم معاشروں میں رواج پا گئی ہے کہ جو طویل عرصہ تک مسیحی عقائد والی استعماری قوتوں کے اقتدار کی گرفت میں رہے ہیں۔ چنانچہ دنیائے مسیحت میں کہ جہاں اپنے نبی کے یوم پیدائش (کرسمس) کو جشن کے اہتمام کے ساتھ منانا ہی تہوار ٹھہرا وہاں شاہ وگدا سب کے لیے اپنا اپنا یوم پیدائش منانا بھی روایت بن گیا۔ مسیحی اقتدار میں رہ کر مسلمانوں نے بحالت مرعوبیت یہ سمجھا کہ نبی کا جشن ولادت گویا تکریم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طریقہ ہے۔ چنانچہ تکریم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مسیحی پیمانہ انہوں نے اپنے یہاں بھی رائج کر ڈالا اور یوں پامال مسلم معاشروں میں عید میلاد النبی اور انفرادی سالگرہوں کی تقریبات کا آغاز ہوا)۔ تکبیر کے اس اداراتی شذرے میں عید میلاد النبی کی اس تاریخی وضاحت کے بعد بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے لکھا گیا۔ ”مگر غور طلب بات یہ ہے کہ ربیع الاول میں میلاد النبی ہو تو کم از کم مسلمانوں کے کسی بھی حصے طبقے یا جماعت کو اس ربیع الاول میں اپنے رسول کو چھوڑ کر اس کے کسی ادنیٰ امتی کے جشن ولادت کو اہمیت دینے اور منانے سے گریز کرنا چاہئے کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع اور ان کی ذات پر مسلمانوں کے ارتکاز توجہ میں

خلل پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین صاحب نے کہ جنہوں نے، پچھلے کئی برسوں میں کبھی اپنے یوم ولادت کو اپنی جماعت کا سرکاری تہوار نہیں بنایا تھا۔ عین اسی سال میں کہ ۱۲ ربیع الاول کی تاریخ بالکل قریب تھی۔ اپنے جشن ولادت کو اس اہتمام سے منایا کہ مہاجرین کی پوری اولاد کی توجہ میلاد النبی سے ہٹ کر میلاد القائد پر مرتکز ہو گئی۔ مسلمانوں کی توجہ ان کے نبی سے ہٹا کر ان کے ایک امتی پر مرتکز کر دینے کی یہ غلطی یقیناً شعوری نہیں تھی بلکہ محض سہو تھا جس پر اللہ سے معافی مانگنی چاہئے"۔

یہ تکبیر کا نقطہ نظر تھا جو اپنی جگہ بالکل درست صحیح تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس شذرے کے خلاف نہ عام مہاجروں میں اور نہ ہی دینی اور مذہبی جماعتوں نے کسی ردعمل کا اظہار کیا لیکن ایم کیو ایم کی سرپرست نادیدہ قوتوں نے تکبیر اور ایم کیو ایم کے درمیان فاصلوں کو نہ صرف بڑھانے بلکہ محمد صلاح الدین کے گرد ایک غیر مرئی حصار قائم کرنے کے لئے بعض نام نہاد مذہبی تنظیموں کے نام پر معصوم اور ناسمجھ مہاجر لڑکوں کے ٹولے کے ساتھ محمد صلاح الدین کے گھر پر یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء کو گولیمار میں حملہ کر کے ایسے نذر آتش کرادیا۔ یہ حملہ نام نہاد سنی تحریک اور اس کے قائد اسامہ قادری کے اشتعال آمیز بیانات و منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔ سنی تحریک اور اس کے قائد سلیم قادری کو شہر میں کس کی آشیرباد حاصل تھی۔ یہ سب کے علم میں تھا۔ محمد صلاح الدین کے گھر پر کئی مہینوں سے مسلح پولیس کا پہرہ تھا۔ جس وقت مسلح جلوس نے گھر پر حملہ کیا گھر میں صلاح الدین کی اہلیہ ڈاکٹر قمر جہاں اور ان کی ایڈاپٹ کی ہوئی دو بچیاں تین سالہ عائشہ اور چھ سال کی اسماء گھر پر تھیں۔ جنہوں نے بڑی مشکلوں سے پہلی منزل پر چھپ کر اپنی جان بچائی، گھر کا گراؤنڈ فلور مکمل طور پر نذر

محمد صلاح الدین کا گولیمار والا گھر اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جسے حملہ کرکے نذرِ آتش کیا گیا

آتش کیا گیا۔ دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مسلح جلوس کا راستہ جو کئی میل سے چلتا ہوا آ رہا تھا۔ کہیں بھی روکنے کی کوشش نہیں کی گئی یہاں تک کہ جب گھر پہ آ کر توڑ پھوڑ شروع کی گئی تو پولیس گارڈ نے مزاحمت کرنا چاہی جس سے مظاہرین یا جلوس میں بھگدڑ مچ گئی اور پھر اندھا دھند فائرنگ ہونے لگی ادھر مظاہرین اسلحہ سے لیس تھے ادھر پولیس گارڈ، ایم کیو ایم کے دو کارکنوں کو گولیاں لگیں جس میں شعیب نامی لڑکا تو فوری طور پر ہلاک ہو گیا۔ شعیب پندرہ سولہ سالہ ایک بیوہ عورت کا بیٹا تھا۔ وہ ناظم آباد میں رہتا تھا۔ حال ہی میں اس نے ایم کیو ایم میں شمولیت اختیار کی تھی۔ حادثے والے دن اسے یہ کہہ کر گھر سے بلوایا گیا تھا کہ ایک جلوس میں شرکت کرنا ہے۔ اسے اس صورتحال کا کوئی علم نہیں تھا کہ مظاہرہ کیوں اور کس کے خلاف ہو رہا ہے۔ محمد صلاح الدین پولیس موبائل کی ''حفاظت'' میں دفتر سے گھر جا رہے تھے کہ انہیں راستے میں اس سانحہ کی اطلاع ملی۔ ایم کیو ایم کے ایک کارکن کی ہلاکت اور ایک کے زخمی ہو جانے کے بعد ایم کیو ایم کی قیادت نے حسب توقع اس سانحہ کا ذمہ دار ہفت روزہ تکبیر اور محمد صلاح الدین کو قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف اپنی مہم تیز کر دی۔ ایم کیو ایم کے عام حلقوں میں یہ پروپیگنڈہ کیا جانے لگا کہ محمد صلاح الدین نے خود اپنے گھر سے مہاجر نوجوان پر گولیاں برسائیں جس سے وہ ہلاک ہوا۔ محمد صلاح الدین کی مہاجر قوم کو ایک صحیح سمت دینے کی ساری کوشش بے کار ثابت ہونے لگیں کیونکہ ''کچھ نادیدہ قوتیں'' ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت مہاجروں کا قتل عام، قتل معاش، قتل علم مہاجروں ہی کے ہاتھوں کروا کے کراچی پر سے مہاجروں کی چھاپ ختم کرنے کے لیے برسر پیکار تھیں۔

محمد صلاح الدین شہید
کا گولیمار و الا گھر

اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جسے حملہ
کر کے نذرِ آتش کیا گیا۔

جب تکبیر کا شمارہ نمبر ۱۴۱ ملت پریس کراچی میں چھپ رہا تھا عین اسی وقت مدیر اعلیٰ تکبیر کا گھر شعلوں کی نذر ہو رہا تھا۔ اسی وقت تکبیر کے پرنٹر کو ایم کیو ایم کی طرف سے دھمکی دی گئی کہ وہ تکبیر کو چھاپنے سے انکار کر دے بصورت دیگر وہ حالات کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ چنانچہ تکبیر کے پرنٹر نے محض ۱۰ ہزار کاپیوں کی طباعت کے بعد پرچہ شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ ادارہ تکبیر نے متبادل انتظامات کے لیے شہر کے دیگر تمام پریسوں سے رابطہ قائم کیا لیکن ہر جگہ اس نوع کی دھمکیاں پہلے ہی آ چکی تھیں۔ جس پر تکبیر کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ پرچے کی اشاعت کے لیے فوری طور پر لاہور کے پریسوں سے رابطہ کیا جائے چنانچہ تکبیر کے ذمہ داران فی الفور لاہور روانہ ہو گئے۔ اس طرح تکبیر کے شمارہ نمبر ۱۴۱ کی پرنٹنگ لاہور پریس سے ہوئی یہ گویا پاکستانی صحافت کی تاریخ میں پہلا واقعہ تھا کہ کسی اخبار یا رسالے کو شہر کے تمام پریسوں نے دباؤ کے پیش نظر شائع کرنے سے انکار کر دیا ہو اور وہ پرچہ دوسرے شہر سے شائع ہوا ہو۔ (اس واقعہ سے کراچی کی اس وقت کی صورتحال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ چند مٹھی بھر مسلح دہشت گردوں نے پورے شہر کو اپنے قابو میں کیا ہوا تھا۔ اور شہر میں ہزاروں کی تعداد میں پولیس رینجرز اور قانون نافذ کرنے والی اعلانیہ و خفیہ درجن بھر سے زائد ایجنسیاں عضو معطل بنی ہوئی سارا ''کریڈیٹ'' ایم کیو ایم کو دے رہی تھیں حالانکہ ایم کیو ایم کی حیثیت تو ایک کیموفلاج جیسی تھی اور پس پردہ؟؟؟؟) تکبیر اور ایم کیو ایم کی جنگ نے مزید شہرت اختیار کر لی، کراچی میں خونریزی کے ہولناک منصوبے تکبیر کے ذریعہ طشت ازبام ہونے لگے جس میں ایم کیو ایم کے ملوث ہونے کے تحریری ثبوت بھی تکبیر میں جگہ پانے لگے۔ تکبیر کی سرکولیشن میں مزید

محمد صلاح الدین کا گولیمار والا گھر ۱ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں جسے حملہ کر کے نذر آتش کیا گیا

اضافہ ہونے لگا۔ ''بلوچستان کے راستے ایم کیو ایم نے اسلحہ کیسے اسمگل کیا؟ جیسی حیرت ناک انکشافات سے بھری اسٹوری ''نمائندہ خصوصی'' کے حوالے سے جگہ بنانے لگیں۔ ایم کیو ایم کے اندرونی معاملات، پر رپورٹوں نے ایم کیو ایم حقیقی کے قیام کو مزید آسان بنا دیا۔ محمد صلاح الدین اپنے ممدوح میاں نواز شریف کے دور حکومت میں پہلے دفتر میں نقصان اور پھر گھر سے بے گھر ہو گئے پرچہ لاہور سے چھپنے لگا۔ میاں نواز شریف کی الطاف حسین، کے ساتھ روابط کی خبریں اخبارات کی زینت بن رہی تھیں۔ سندھ میں اصلاح احوال کے منصوبے، اقدامات کی کہی ان کہی رپورٹیں اور آپریشن کی خبریں تواتر کے ساتھ پرنٹ میڈیا کا حصہ بن رہی تھیں۔ وفاقی حکومت سندھ کی حکومت و تنظیموں کے ساتھ بہتر معاملات کر لینے کے باوجود شہر کراچی میں امن قائم کرنے میں بری طرح ناکام ہو رہی تھی۔ ۱۲۰ کتوبر ۹۱ء کو الطاف حسین غیر متوقع طور پر بغرض علاج اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ لندن چلا گیا۔ تکبیر نے ''مرد آہن کے فرار'' کے عنوان سے اداریہ لکھا اور ساتھ ہی تکبیر نے اپنے قارئین کو یہ اطلاع بھی دی کہ الطاف حسین نے اس سے پہلے بھی دو مرتبہ باہر جانے کی کوششیں کی تھی مگر انہیں روک دیا گیا تھا لیکن تیسری مرتبہ نواز شریف اور آرمی چیف سے اجازت لینے کے بعد اس کو ملک سے باہر جانے دیا گیا ہے۔ تاہم الطاف حسین غیر متوقع طور پر ۲۰ دسمبر ۹۱ء کو پھر وطن واپس آ گیا اور یکم جنوری ۹۲ء کو عمرہ کرنے کے حوالے سے سعودی عرب کے راستے الطاف حسین لندن روانہ ہو گیا۔ اس سفر سے متعلق باخبر ذریعے بتاتے ہیں کہ الطاف حسین کو ایرپورٹ پر رخصت کرنے والوں میں بریگیڈیر امتیاز کا نام آتا ہے۔

گولیمار میں گھر نذر آتش ہونے کے بعد محمد صلاح الدین، رفیق افغان کے مشورے پر ڈیفنس میں شفٹ ہو گئے۔ اس بنگلے سے متعلق امکان غالب یہی ہے کہ یہ رفیق افغان کی اپنی ذاتی ملکیت تھا۔ محمد صلاح الدین قانون نافذ کرنے والوں کے پہرے اور چوکیداری کے زیر انتظام تو آہی چکے تھے۔ ڈیفنس میں شفٹ ہونے کے بعد ان کے گرد نہ صرف ایسے افراد کا گھیرا تنگ ہو گیا جو سیاست و معاشرت میں ایجنسیوں کے حوالے سے شہرت رکھتے ہیں۔ اس میں ایک نام نصرت مرزا کا بھی ہے۔ ساتھ ہی ڈیفنس والے بنگلے میں افغان گارڈ بھی لگا دیے گئے جو نہ صرف چوبیس گھنٹے گھر کی چوکیداری کرتے بلکہ محمد صلاح الدین کے دفتر آنے جانے کے اوقات میں بھی ان کے ساتھ رہتے اور گھر وہ دفتر کے معاملات کی مکمل ''رپورٹ'' وہ رفیق افغان کے گوش گزار کرتے۔

۲۰ اکتوبر ۹۱ء کی شب گیارہ بجے نصرت مرزا محمد صلاح الدین کے گھر ڈیفنس میں آئے اور ان سے کہا کہ آج رات آپ کو خطرہ ہے۔ ممکن ہے پولیس آپ کی گرفتاری کے لیے چھاپہ مارے لہٰذا آج کی رات آپ گھر میں سونے کے بجائے میرے گھر تشریف لے چلیے۔ نصرت مرزا کا گھر ڈیفنس میں محمد صلاح الدین کی رہائش کے نزدیک ہی تھا لیکن محمد صلاح الدین نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر پولیس مجھے گرفتار کرنا چاہتی ہے تو بے شک کر لے لیکن میں گرفتاری کے خوف سے چھپنا پسند نہیں کرتا۔'' مگر محمد صلاح الدین کو نصرت مرزا اور ان کے اہل خانہ نے اتنا مجبور کیا کہ وہ نصرت مرزا کے ساتھ جانے پر رضامند ہو گئے۔ اسی رات ڈھائی بجے ایک پولیس پارٹی نے ڈیفنس میں محمد صلاح الدین کے گھر پر چھاپہ مارا۔ اہل خانہ پہلے سے اس

محمد صلاح الدین شہید اسلامک کلچرل سینٹر ناروے کا مستقبل کا
پلان دیکھ رہے ہیں ہمراہ لال محمد خان اور امیر مرکز محمد اظہر علی

بات کے منتظر تھے۔محمد صلاح الدین پہلے ہی نصرت مرزا کے ساتھ جاچکے تھے لہٰذا پولیس پارٹی ناکام ہوکر چلی گئی تاہم جب گلبہار پولیس اسٹیشن رابطہ کیا گیا۔جہاں محمد صلاح الدین کے خلاف شعیب نامی نوجوان کی ہلاکت پر مقدمہ قتل درج تھا۔وہاں سے بتایا گیا کہ کسی بھی پولیس پارٹی کو محمد صلاح الدین کی گرفتاری کے لیے نہیں بھیجا گیا۔اس طرح کی واردات کا مقصد صرف محمد صلاح الدین اوران کے اہل خانہ کو نہ صرف خوفزدہ حراساں کرنا بلکہ انہیں ایسے افراد کے نزدیک کرنا تھا جواب محمد صلاح الدین کے فیصلے اب خودکرنے لگے تھے۔رفیق افغان نے گولیمار کے گھر کوفروخت کرکے پی ای سی ایچ ایس میں پلاٹ خریدلیا۔گولیمار کا گھر ۹ لاکھ میں فروخت ہوا،ڈیڑھ دولاکھ محمد صلاح الدین کی اہلیہ کے پاس ان کی کمیٹیوں کی صورت میں بچت تھی۔بارہ سے پندرہ لاکھ کے قریب رفیق افغان نے اپنے پاس سے لگا کر پی ای سی ایچ ایس کے بنگلے کی تعمیر شروع کرادی۔تعمیر کا ٹھیکہ رفیق نے اپنے بہنوئی عارف کو دیا۔یہ فیصلہ خالصتاً رفیق افغان کا فیصلہ تھا۔محمد صلاح الدین اتنے مہنگے اورلگژری گھر کی تعمیر کے حق میں نہ تھے لیکن ہونہار داماد کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔رفیق افغان نے ان سے کہا کہ یہ گھر سعدیہ انجم اورآپ لوگوں کے نام مشترکہ ہوگا بلکہ یہ میری طرف سے سعدیہ کوتحفہ ہے۔گراؤنڈ فلور سعدیہ کے نام کردیا گیا۔اس طرح تقریباً ۲۵ سے ۳۰ لاکھ کی مالیت پر یہ گھر تقریباً سوا سال میں بن کر تیار ہوا۔رفیق افغان کے مدیر منتظم بن جانے کے بعد دفتر تکبیر میں آہستہ آہستہ رفیق افغان نے اپنے قدم جمانے شروع کردیے۔انتظامی امور سے لے کر ادارتی امور میں بھی رفیق کی دخل اندازی نہ صرف بڑھنے لگی بلکہ محمد صلاح الدین کے غیر ملکی

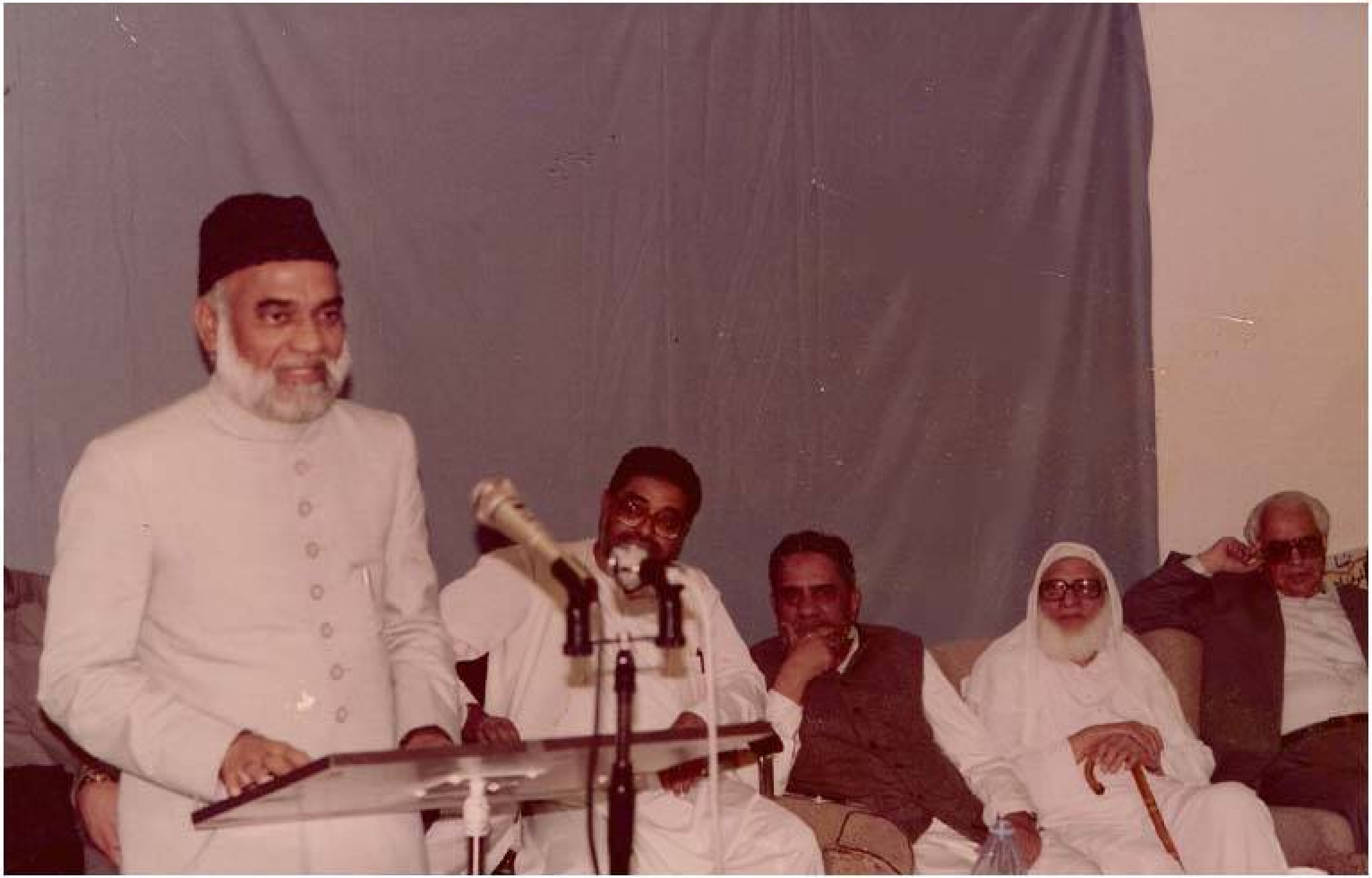

[illegible] ۔ [illegible] عالم اسلامی

مارچ ۔ ۱۹۹۳

محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ کا تحریر کردہ کیپشن

دوروں اور ایم کیو ایم سے محاذ آرائی کے سبب دباؤ پریشانی نے بھی محمد صلاح الدین کو رفیق افغان پر بھروسہ واعتماد کرنے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۹۱ء میں ہی سعدیہ انجم کی سہیلی عطیہ اقبال زیدی اسلام آباد سے کراچی اپنے والدین کے گھر آگئی تھی۔ محمود فاروقی سے علیحدگی کے بعد خلع کا مطالبہ تھا۔ گھریلو جھگڑے ناچاقی اور ازدواجی زندگی کی ناکامی نے عطیہ پر نفسیاتی اثرات مرتب کیے۔ عطیہ کی طبیعت خراب رہنے لگی۔ عطیہ کے والد اقبال زیدی دفتر تکبیر میں پارٹ ٹائم کے طور پر اکاؤنٹس کا کام کرتے تھے۔ عطیہ کے مسئلے پر ان کی اکثر رفیق افغان سے گفتگو ہوتی۔ اقبال زیدی کا خیال تھا کہ رفیق افغان محمود فاروقی کے دوست ہیں۔ اتنے بڑے ادارے میں ایک اہم عہدے پر فائز ہیں۔ عزت نام شہرت سب ہی کچھ ہے اگر یہ عطیہ کے معاملے میں اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس مسئلے کو حل کرادیں تو ان کے لیے بہتر ہوگا۔ رفیق افغان نے اقبال زیدی کو مشورہ دیا کہ وہ عطیہ کو پھر سے صحافت کی طرف راغب کرنے کے لئے اسے لکھنے پڑھنے کا موقع دیں۔ وہ اس سلسلے میں جو کچھ بھی تعاون ہوسکتا ہے کریں گے۔ رفیق افغان نے عطیہ سے ترجمہ یا دیگر رپورٹیں لکھوانے کے بہانے فون پر رابطہ شروع کردیا۔ عطیہ ذہنی طور پر آئیڈیل پسند نازک مزاج رکھنے والی لڑکی تھی۔ وہ ازدواجی زندگی کی ناکامی کے بعد بہت دل برداشتہ تھی۔ رفیق افغان نے جب ایک دوست ہمدرد اور ساتھی کی حیثیت سے عطیہ سے تعلق استوار کیا تو عطیہ بہت جلد ان پر اعتماد کرنے لگی۔ عطیہ کو لکھنے پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ وہ برسوں عملی صحافت میں رہ چکی تھی اس لیے تکبیر کے صفحات پر بہت جلد نظر آنے لگی۔ رفیق افغان کے لیے دن رات کا کوئی حصہ ایسا نہ ہوتا جب وہ عطیہ

کے گھر پر فون نہ کرتے ہوں۔ گھریلو طور پر بھی رفیق افغان نے اقبال زیدی کی فیملی سے اپنے تعلقات مزید بڑھا لیے اب عطیہ نے دفتر بھی آنا شروع کر دیا۔ رفیق افغان اکثر عطیہ کو دفتر اس وقت بلواتے جب پانچ ساڑھے پانچ بجے دفتر کے ملازمین کی اکثریت چھٹی کر چکی ہوتی۔ دفتر تکبیر کے کمرہ نمبر ۱۰ میں جہاں تکبیر میں کام کرنے والی دیگر دو خواتین ملکہ افروز روہیلہ (راقم الحروف) اور ثریا بیٹھتیں وہاں اکثر عطیہ آتیں کبھی ان خواتین کی موجودگی میں اور کبھی غیر موجودگی میں۔ کئی مرتبہ ملکہ کو شبہ ہوا کہ شام میں اس کے جانے کے بعد اس کے کیبن میں کوئی آ کر اس کی چیئر پر بیٹھا تھا جب وہ اس کی تصدیق کے لئے دوسرے دن رمضان بابا (قاصد) سے پوچھتی تو معلوم ہوتا کہ گزشتہ شام کو عطیہ دفتر آئی تھی۔ ایک لمحے کو ملکہ کو یہ احساس بھی ہوا کہ عطیہ کا شام کے وقت آنا اور رفیق افغان کا ذکر بھی نہ کرنا بہت اچھبنے والی بات ہے مگر رفیق افغان کی حیثیت و مرتبے سے ہٹ کر عطیہ اور اس کے حوالے سے ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔ اس لیے اپنی الجھن کو اپنے ہی دل میں رکھ کر خاموش ہو جاتی۔ رفیق افغان نے دفتر تکبیر میں آنے کے فوری بعد اپنے لیے لابنگ شروع کر دی تھی۔ تکبیر میں ملازمین کو رکھنے اور نکالنے کا اختیار محمد صلاح الدین کو بحیثیت مدیر اعلیٰ حاصل تھا۔ جسے وہ اپنے دو دیگر ساتھی اور ڈائریکٹر ثروت جمال اصمعی اور پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ کے مشورے اور رائے سے انجام دیتے مگر رفیق افغان نے یہ اختیار بھی مدیر منتظم بننے کے بعد اپنے اختیار میں لے لیا۔ رفیق افغان نے تکبیر میں آنے کے بعد جہاد افغانستان کے حوالے سے بعض نئے لڑکوں کو دفتر میں ملازم رکھ لیا جس میں ایک اکبر نامی لڑکا بھی شامل تھا۔ اکبر کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے

بتایا جاتا۔ وہ ایک آپریٹر کی حیثیت سے تکبیر میں ملازم ہوا لیکن جلد ہی اس کا شمار رفیق افغان کے مصاحبین میں ہونے لگا۔ ٹیلی فون آپریٹر ایک ایسی پوسٹ تھی جس پر رفیق افغان نے اپنے اعتماد کا آدمی بیٹھا کر تکبیر کے تمام معاملات پر گہری نظر رکھنا شروع کر دی۔ تکبیر میں آنے والا ہر فون اور باہر جانے والی ہر کال کی خبر رفیق افغان کو کر دی جاتی۔ پرسنل ٹیلیفون بھی سنے جاتے۔ تکبیر کے دیگر ملازمین کے معمولات و معاملات کو بھی نظر میں رکھا جاتا۔ تکبیر کے کمپوزنگ سیکشن میں شاہد حسین نامی لڑکے کو یہ کہہ کر تکبیر سے فارغ کر دیا گیا کہ اس کا تعلق ایم کیو ایم سے ہے جبکہ اصل صورتحال یہ تھی کہ شاہد نے مدیر منتظم کے کمرہ متصل ہونے کی بناء پر رفیق افغان کے پاس آنے والے ''پراسرار'' مہمانوں کا ذکر اکبر سے کرنا شروع کر دیا تھا۔ اکبر بظاہر شاہد سے دوست کی حیثیت سے ملتا مگر اکبر کی حیثیت درحقیقت دفتر میں سی آئی ڈی افسر جیسی تھی۔ وہ رفیق افغان کا خاص آدمی شمار ہونے لگا تھا۔ رفیق افغان نے تکبیر کے انتظامی معاملات سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ادارتی امور میں بھی اپنی مرضی چلانا شروع کر دی۔ رفیق افغان کا پہلا اختلاف حیدر آباد میں تکبیر کے نمائندے اور محمد صلاح الدین کے دیرینہ ساتھی ظہیر احمد سے ہوا۔ ظہیر احمد کی رپورٹوں پر غیر ضروری کاٹ چھانٹ کرنا یا انہیں روک لینا معمول بن گیا۔ وہ جب بھی اس کی شکایت محمد صلاح الدین سے کرتے وہ ان معاملات کو درگزر کرنے کی نصیحت کے ساتھ اکثر اوقات رفیق افغان کے تحکمانہ مزاج کا شکوہ کرتے بھی نظر آتے۔ محمد صلاح الدین کی مہاجروں سے محبت و ہمدردی کسی وضاحت کی طلبگار نہ تھی۔ وہ خود سات آٹھ سال کی عمر میں ہندوستان سے پاکستان ہجرت کر کے آئے

تھے۔ وہ ہجر کے دکھ کو بھی سمجھتے تھے اور مہاجروں کے ساتھ ہونے والے ظلم اور ناانصافی کو بھی نظر میں رکھے ہوئے تھے۔ لیکن وہ مہاجروں کے مسائل کا حل الطاف حسین یا اس کی تنظیم ایم کیو ایم میں تلاش کرنے کے بجائے مہاجروں کو صحیح سمت درست انداز فکر ومنزل کا پتا دینا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریری سرمایہ کا نصف سے زائد حصہ صرف مہاجروں کو ان کے خلاف بُنی جانے والی سازشوں سے آگاہ کرنے سے متعلق ہے لیکن افسوس کہ اس ساری کوشش وجد وجہد اور اخلاص نیت کے باوجود محمد صلاح الدین اور ان کا پرچہ نادانستہ ایسی ''نادیدہ قوتوں'' کے ہاتھوں میں کھلونہ بنتا چلا گیا جن کا مقصد مہاجر نسل کو دیوار سے لگانا تھا۔ سینئر، معروف صحافی ظہیر احمد اپنی کتاب ''صلاح الدین صاحب کا قاتل کون ہے؟'' میں تکبیر اور ایم کیو ایم کے تعلقات سے متعلق لکھتے ہیں۔

''الطاف حسین کی جانب سے صلاح الدین صاحب اور تکبیر کے خلاف نہایت نفرت انگیز تنقید کا سلسلہ بھی اسی طرح جاری رہا۔ جس طرح تکبیر نے ایم کیو ایم اور الطاف حسین کا تسلسل سے تعاقب جاری رکھا تھا۔ یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو الطاف حسین کے پاکستان سے چلے جانے کے بعد ایم کیو ایم کا باغی گروہ جنوری ۱۹۹۲ء میں لاہور میں یکجا ہونا شروع ہوا۔ ۱۳ مارچ کے شمارے میں تکبیر نے عامر خان کا انٹرویو ٹائٹل اسٹوری کے طور پر چھاپا پھر ۲۷ مارچ کے شمارے میں آفاق احمد کی کراچی آمد اور واپسی پر ٹائٹل اسٹوری شائع کی اسی دوران ۳ اپریل کے تکبیر کے شمارے سے پتا چلا کہ وفاقی وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے صلاح الدین صاحب کو الطاف حسین کا یہ پیغام پہنچایا ہے کہ ''اب ہم آپ کو مزید برداشت نہیں کرینگے۔ صلاح الدین صاحب کو حیرت کے ساتھ ساتھ اس بات کا

دکھ تھا کہ ان کے دوست ظہور الٰہی کا بیٹا جو وزیر داخلہ بھی ہے اپنا فرض اور منصب بھول کر الطاف حسین کی طرف سے قتل کی دھمکی کے لیے ''پیامبر'' کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اگر صلاح الدین صاحب ۱۹۹۷ اور ۱۹۹۸ء میں زندہ ہوتے اور وہ اپنے لیڈر میاں نواز شریف کو وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے وفاقی کابینہ کے نصف درجن ارکان اور وزیر اعلیٰ سندھ کے ساتھ لندن جا کر الطاف حسین کے پاس خشوع خضوع کے ساتھ حاضری لگاتا ہوا دیکھتے اور یہ کہتا ہوا پاتے کہ ''الطاف بھائی ٹھیک کہتے ہیں۔ تو انہیں چودھری شجاعت کے پیامبر بننے کا اتنا دکھ نہ رہتا۔ چودھری شجاعت نے ''پیامبری'' اس وقت کی تھی جب وہ نائن زیرو، پر ایک اور وفاقی وزیر عبدالستار لالیکا کے ساتھ عظیم احمد طارق کے حضور پیش ہوتے تھے۔ اور وہاں نہ صرف عظیم احمد طارق نے تکبیر کے لئے برہمی دکھائی تھی بلکہ الطاف حسین سے جو لندن میں تھے فون پر بات کرائی تھی اور اسی دوران یہ پیغام دیا گیا تھا (لندن میں اسی عرصہ میں الطاف حسین کی جام صادق اور سندھ کے گورنر سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور الطاف حسین نے فون پر صدر اسحٰق سے بات کی تو انہوں نے کہا ''ایم کیو ایم محب وطن جماعت ہے'') کچھ ہی دن بعد ایم کیو ایم کے خلاف فوجی آپریشن کے لیے ''نادیدہ قوتیں'' سامنے آ گئیں۔

تکبیر نے ۲۹ مئی تا ۴ جون کے شمارے میں ''سندھ میں فوجی آپریشن کا آغاز'' کے عنوان سے ٹائٹل اسٹوری دی اور اداریہ لکھا۔ پھر ۱۲ جون تا ۱۸ جون کے شمارے میں ٹائٹل پر آفاق احمد اور عامر خان کے انٹرویوز کے حوالے سے یہ سرخی دی گئی ''الطاف حسین سینکڑوں نوجوانوں کا قاتل ہے''۔ فوجی آپریشن تیاری مکمل'' فوجی آپریشن کے آغاز پر ۱۹ تا ۲۵ جون کے شمارے میں سندھ آپریشن کے تعلق

سے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل کا انٹرویو شائع کیا گیا۔ ۲۶ جون تا ۲ جولائی کے شمارے میں مضامین کی سرخیاں تھیں۔ ''الطاف حسین کا تختہ الٹ دیا گیا''۔ ''آپریشن جس نے کایا پلٹ دی'' اور اداریہ کا عنوان تھا ''الطاف حسین کی قیادت کا عبرتناک انجام'' ۷ا تا ۱۳ اگست کے شمارے میں بھی جنرل حمید گل کا انٹرویو سندھ آپریشن کے موضوع پر شائع کیا گیا۔ (واضح رہے کہ جنرل حمید گل تکبیر میں نواز شریف کے بعد سب سے زیادہ پروجیکٹ کی جانے والی شخصیت ہیں۔ جنوری ۹۷ء میں چھپنے والی کتاب ''پاکستان لوٹنے والے'' مجاہد حسین کی یہ کتاب تخلیقات لاہور نے شائع کی ہے۔ جس کے باب دوم میں جنرل حمید گل نے سینکڑوں ایکڑ اراضی کیسے بنائی؟ کے عنوان سے شکر گڑھ کے علاقے میں جنرل حمید گل کے ہاتھوں لٹنے والے مظلوم کسانوں کی داستان شائع کی گئی ہے''۔ سندھ میں آپریشن کلین اپ کے بعد تکبیر میں ''پلانٹیڈ اسٹوری کی تعداد بڑھتی جارہی تھی۔ سینئر رپورٹرز کے بجائے نوآموز رپورٹروں کے نام جو رپورٹیں شائع ہوئیں۔ ان کا ماخذ وہی ''نادیدہ قوتیں'' ہوتیں جو مہاجر کی بندوق مہاجر کے کاندھے پر رکھ کر مہاجر ہی کا خون بہارہی تھیں۔ اس تجزیہ کی تصدیق ایم کیو ایم کے ایک باغی مہاجر قومی موومنٹ یا حقیقی کے چیئر مین آفاق احمد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو روزنامہ جنگ کراچی کی ۱۵ نومبر ۹۹ء کی اشاعت میں شائع ہوا جس میں وہ کہتے ہیں ''سرخی'' ایجنسیوں نے مہاجر نوجوانوں کو قاتل اور مقتول بنانے کی سازش کی۔ آفاق احمد مہاجر قومی موومنٹ کے چیئر مین آفاق احمد نے کہا ہے کہ ایجنسیوں نے مہاجر نوجوانوں کو قاتل اور مقتول بنانے کی سازش کی اور اب انہیں ۹ برسوں میں قائم من گھڑت

مقدمات کے ذریعہ جدوجہد سے روکنے کے لیے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔ استحصالی عناصر نے جس میں حکمراں اور حکومتی ایجنسیاں شامل ہیں ۔ ہمیشہ مہاجر نوجوانوں کی اس طاقت کو پارہ پارہ کرنے کی سازشیں کی ہیں جو آج بھی جاری ہیں ۔ آج مہاجر نوجوان نظریاتی اور تبلیغی کام کرنے کی بجائے زیر زمین رہنے اور گرفتاری پولیس مقابلے میں قتل ہونے سے بچنے کے لیے اپنے حصار میں رہنے پر مجبور ہوگیا ہے۔ آفاق احمد نے کہا کہ ۹۱ء میں نظریاتی اختلافات کا فائدہ اٹھا کر جام صادق علی کے دور میں ایجنسیوں نے مخالفین کو قتل کرنے کا کھلا لائسنس دے کر مہاجر نوجوانوں کو قاتل اور مقتول بنانے کی سازش کا بیج بویا ایک طرف نوجوان کو قتل کرنے کا لائسنس دے دیا گیا تو دوسرے مہاجر نوجوان کو دفاع کے لیے ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا گیا۔ کرکٹ کے رنز کی طرح مہاجر نوجوانوں کی لاشوں کا سکور گنا جاتا رہا۔ ایک طرف مخالفین کو ٹھکانے لگانے کی ترغیب اور قتل پر حوصلہ افزائی کی جاتی رہی دوسری جانب خاموشی سے ایک ایک واقعہ کے ۲۰/۲۰ مہاجر نوجوانوں کے خلاف مقدمات درج کیے جاتے رہے تا کہ کبھی عقل آجانے پر اگر یہ مہاجر نوجوان آپس میں لڑنے کی بجائے مہاجر جدوجہد کرنا چاہیں تو ان ہی مقدمات کی بنیاد پر گرفتار کر کے انہیں روکا جاسکے۔‘‘ ایم کیو ایم کے حوالے سے شائع ہونے والی رپورٹوں کے تخلیق کار نمائندہ خصوصی کی معلومات اور پہنچ کا اندازہ آپ صرف ایک رپورٹ سے لگا سکتے ہیں ۔۹۲ء کے شمارہ نمبر ۱ میں ’’بھارتی خفیہ تنظیم را، کی سرپرستی میں سمندری راستے اور سرحد پار سے ایم کیو ایم اور جیے سندھ کے لیے اسلحہ ہی اسلحہ کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس رپورٹ کے چند اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ ’’۱۳ اکتوبر کی صبح جب

تفریح اور دیگر مقاصد کے لیے آنے والے افراد کی آمد ورفت شروع ہوئی تو ۱۱۳۔ وی سی اور اس سے متصل سیٹ میں موجود اسلحہ ہاکس بے روڈ پر واقع ایک قریبی بستی گوٹھ میں منتقل کردیا گیا۔ ۴ اکتوبر کو چار گاڑیوں میں جن کے نمبر KH 2448, GL-5190, T 4236 اور BC 0021 ہیں۔ تمام تر اسلحہ بلدیہ کالونی ایسٹ کے ایک مکان میں جہاں ایم کیو ایم کا غیر رسمی دفتر قائم ہے منتقل کردیا گیا۔ منتقلی کے لیے استعمال ہونے والی گاڑیوں میں سے BC 0021 کسی غیر ملکی کے استعمال میں ہے۔ ''دہلی میں جئے سندھ سے پیغام رسائی کے لئے بنگلہ ۹۱ کرناٹ پلیس نئی دہلی میں خفیہ ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ تلہار سے ٹیلی فون پر کرناٹ پیلس سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے اور ضروری ہدایت وصول کی جاتی ہیں۔ اس بنگلے کے ٹیلی فون نمبر 0034-878787 اور 0034-914230 ہیں۔ ''تکبیر کے شمارہ نمبر ۶, ۹۲ء میں ایک رپورٹ شائع ہوئی بعنوان'' جے پور پالی راجستھان میں جئے سندھ اور ایم کیو ایم کے لیے را کا نیا نیا ٹریننگ کیمپ p.j.m 08 جسے خفیہ طور پر کیمپوں کا دورہ کرنے والے نمائندہ تکبیر کی خصوصی رپورٹ کے طور پر شامل کیا گیا۔ اس رپورٹ میں دو درجن سے زائد مہاجر نوجوانوں کے نام اور ایڈریس دیئے گئے۔ ایک طرف تکبیر میں درج بالا قسم کی رپورٹوں کی اشاعت جاری تھی تو دوسری سمت محمد صلاح الدین کو اپنے تجزیوں میں اس بات کی وضاحت کرنا پڑ رہی تھی کہ تکبیر صرف کراچی میں ہی کیوں محصور ہے؟ ایم کیو ایم کا مسلسل تعاقب کیوں اور کس لیے؟ محمد صلاح الدین کے الفاظ میں کراچی صرف ایک شہر نہیں کشمیر، افغانستان اور وسط ایشیا کی مہم ریاستوں کے قلعہ کا دروازہ ہے۔'' کراچی کی اسی اہمیت

کے پیش نظر ''نادیدہ قوتوں'' کا کراچی کے خلاف آپریشن کلین اپ جاری تھا۔ تکبیر کے سنیئر صحافی بیورو چیف حیدرآباد کے ظہیر احمد کے خلاف اندرون تکبیر ایک مخصوص لابی، نے کام شروع کر دیا۔ رفیق افغان نے پہلے ظہیر احمد کی رپورٹوں میں قطع و برید کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کی ایک دو اسٹوری کے بعد ایسی رپورٹ لگائی گئی جس سے ظہیر احمد کی اسٹوری خود بخود Kill ہوگئی۔ پکا قلعہ آپریشن کی رپورٹ پر تکبیر نے بطور انعام ظہیر احمد کو ۲ ہزار روپے اور تعریفی سند عطا کی اس رپورٹ میں بے نظر حکومت کی بے رحمی اور سفاکی کو بے نقاب کیا گیا اور بعد ازاں بے نظر حکومت کے خاتمہ کا سبب پکا قلعہ آپریشن بھی بنا تھا۔ لیکن تکبیر میں ہی شائع ہونے والے ایک انٹرویو کی یہ سرخی جمائی گئی کہ ''پکا قلعہ آپریشن الطاف حسین کی سازش سے ہوا۔ یہ انٹرویو فاروق عادل کے حوالے سے پیش کیا گیا اس طرح ظہیر احمد کی ایک اہم رپورٹ کو Kill کرنے کی سازش کی گئی۔ جس پر ظہیر احمد نے تکبیر سے استعفیٰ دے دیا۔ ظہیر احمد اپنی کتاب میں اپنے استعفیٰ سے متعلق لکھتے ہیں۔ ''بعد میں جب خود صلاح الدین صاحب اور بعد ازاں ثروت جمال اصمعی نے مجھ پر استعفیٰ واپس لینے کے لیے دباؤ ڈالا اور رابطہ کیا تو یہ راز کھلا کہ اس انٹرویو کی اشاعت میں جس کے ذریعہ میری صحافتی کریڈیبلیٹی کو ملیا میٹ کرنے کی دانستہ کوشش کی گئی تھی۔ کسی ایسی ''نادہندہ قوت'' کا ہاتھ ہے جس نے اپنا وزیٹنگ کارڈ دے کر نہ تحقیق قسم کے نوجوان کو دفتر تکبیر بھیجا تھا اور صلاح الدین صاحب نے اس نوجوان کو فاروق عادل کے سپرد کر دیا تھا۔ فاروق عادل صلاح الدین صاحب کے کیبن کے ساتھ والے کیبن میں محمود احمد خان کے ساتھ بیٹھتا تھا اور جہاں اکثر فائلوں کے ساتھ ''نادیدہ

قوتوں'' کے ''فدوی'' آتے رہتے تھے اور حیرت ناک داستانیں لکھوایا کرتے تھے۔ فائلوں کے ذریعہ لکھی جانے والی ایسی ہی ایک حیرت ناک داستان میں ایک مرتبہ یہ انکشاف کیا گیا تھا کہ حیدرآباد کے کنور نوید اور انیس قائم خانی بذریعہ سرنگ تھر پار کر کے راستے تربیت کے لیے بھارت جا چکے ہیں۔ جس پر میں نے صلاح الدین صاحب سے کہا تھا کہ ریگستانی علاقے میں سرنگ تو کھودی جا سکتی ہی نہیں کیا یہ بہتر نہیں تھا کہ آپ کنور نوید اور انیس قائم خانی کو اونٹ کے ذریعہ سرحد پار کرا دیتے؟ مرحوم نے اس فاش غلطی کا اعتراف اور احساس کیا تھا اور میری دلیل کو تسلیم کیا تھا۔'' (بحوالہ کتاب صلاح الدین صاحب کے قاتل کون ہے؟)

تکبیر ۱۱ جون ۹۲ء کے شمارے میں پاکستان مہاجر رابطہ کونسل کے چیئر مین نصرت مرزا کے حوالے سے یہ خبر شائع کی گئی کہ ''تکبیر میں رپورٹ شائع ہونے کے بعد ایف آئی آر درج ملزمان کو گرفتار کیا جائے۔ نصرف مرزا نے اپنے کارکنوں پر ہونے والے ظلم و تشدد اور تھانوں کی جانب سے ایف آئی آر درج نہ کرنے پر ڈی آئی جی، آئی جی اور کور کمانڈر کو درخواستیں دی تھیں۔ جن کے جواب میں یہ احکامات جاری کیے گئے۔ آپریشن کلین اپ کے دوران تکبیر میں ایم کیو ایم حقیقی کے لیے نرم گوشہ رکھ کر رپورٹنگ کی جاتی۔ ایم کیو ایم الطاف گروپ کے ہاتھوں مرنے والے کا کنان کے گھروں پر جا کر ان کے اہل خانہ سے انٹرویو کیے گئے۔ جون ۹۲ء کے آخر میں تکبیر کی خاتون رپورٹر ملکہ افروز روحیلہ، ثریا بانو اور سعدیہ رفیق نے تکبیر کی گاڑی میں لائنز ایریا کا سروے کیا۔ متاثرین کے اہل خانہ سے گفتگو بھی کی۔ لائنز ایریا میں حقیقی کا معروف رہنما منصور چاچا کی والدہ سے ملکہ افروز نے انٹرویو کیا جس کے دوران منصور چاچا کی

والدہ نے بتایا کہ ان کے بیٹوں کی روپوشی کے دوران رفیق افغان نے مالی طور پر ان کی بہت مدد کی۔ اس بات کا ذکر جب ملکہ افروز روہیلہ نے رفیق افغان سے کیا تو جواب ملا کہ ”آپ اس بات کو بھول جائیں اور رپورٹ میں اس بات کا قطعی ذکر نہیں کیجئے گا“۔ اسی عرصہ میں اے پی ایم ایس او کے پہلے پالیسی ساز ادارے کے رکن اور پہلے ڈپٹی سیکریٹری جنرل طارق مہاجر نے ایم کیو ایم سے علیحدگی اختیار کر کے ایک طویل انٹرویو تکبیر کے محمود احمد خان کو دیا جو آپریشن کلین اپ کے دوران قسطوار شائع ہوا۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ طارق مہاجر کو اسی دوران امریکہ بھیجنے میں تکبیر کے اہم ذرائع نے مدد کی۔ دفتر تکبیر اور محمد صلاح الدین کا گھر نذر آتش ہونے کے بعد تکبیر کی لاہور پریس میں چھپائی نے تکبیر پریس کی ضرورت کو مزید بڑھا دیا۔ تکبیر کے وسائل ابھی اتنے نہیں تھے کہ وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے تکبیر پریس لگا سکے۔ تکبیر کے اجراء کے وقت سے محمد صلاح الدین متین الرحمٰن مرتضٰی اور ثروت جمال اصمعی یہ تینوں ڈائرکٹران حضرات اپنی تنخواہ کے علاوہ بالترتیب پانچ چار اور تین ہزار کی اضافی رقم کے واؤچر پر دستخط کرتے اور یہ رقم تکبیر کے اس فنڈ میں جمع ہو جاتی جسے ادارے کو فروغ دینے کے لئے استعمال میں لایا جاتا لیکن اس فنڈ میں بھی اتنی رقم نہیں تھی کہ پریس خریدا جاتا۔ محمد صلاح الدین یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ تکبیر فنڈ کو ایک بڑے کام میں استعمال میں لے لیا جائے کیونکہ اس صورت میں تکبیر پر چھوٹی بڑی مشکلات آنے کی صورت میں ایسا کوئی اضافی فنڈ نہیں رہتا جسے بوقت ضرورت استعمال میں لایا جا سکے لہٰذا انہوں نے قارئین سے قرضہ حسنہ کی اپیل کی تکبیر پریس کے لئے قرض حسنہ کے طور پر دی جانے والی رقم کی کم سے کم حد دس ہزار روپے مقرر کی

گئی۔ اس اپیل کے ساتھ قارئین تکبیر کا بڑا حلقہ جو ملک و بیرون ممالک پھیلا ہوا تھا۔ اس نے اس کار خیر میں بھرپور حصہ لیا اور تکبیر پریس کے لیے رقم جمع ہونے لگی۔ روٹری پریس اور تنصیب کے اخراجات سمیت ٹارگٹ کم از کم پچاس لاکھ روپے تھا۔ اور خواہش یہ تھی کہ ۲۳ مارچ ۱۹۹۲ء کا خصوصی شمارہ تکبیر پریس میں شائع ہو۔ افغانستان میں تیرہ سالہ جنگ کے بعد مئی ۹۲ء میں احمد شاہ مسعود اور گلبدین حکمت کے نمائندوں میں سمجھوتہ کے بعد تکبیر نے فتح کابل کی نوید سنائی اور تکبیر کے ٹائٹل پر رفیق افغان کی تصویر کے ساتھ یہ کیپشن دیا گیا کہ ''تکبیر سب سے آگے جنرل رفیع کے طیارے میں رفیق افغان لوگر سے کابل پہنچے۔ تین دن قیام، آزاد دارالحکومت سے پہلی خصوصی رپورٹ'' آزاد کابل کے پہلے تصویری مناظر کشی بھی رفیق افغان کے حوالے سے کی گئی۔ ۲۰ اگست ۹۲ء کے شمارے میں سانحہ بہاولپور سے متعلق رفیق افغان کی خصوصی تحقیقاتی رپورٹ شائع کی گئی۔ اس رپورٹ کے حوالے سے سانحے بھاولپور میں چند اعلیٰ فوجی افسران کے ملوث ہونے کے ساتھ ساتھ جنرل اسلم بیگ پر بھی شک و شبہ کا اظہار کیا گیا۔ جس وقت یہ رپورٹ تکبیر میں شامل اشاعت کی گئی وزیراعظم نواز شریف کی جانب سے سانحہ بہاولپور کی تحقیقات کے لیے سپریم کورٹ کے جج جسٹس شفیع الرحمان کی سربراہی اور لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس ریاض احمد اور سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس امام علی قاضی کی رکنیت پر مشتمل عدالتی کمیشن کے قیام کا اعلان کیا گیا اداہ تکبیر نے اپنی شائع شدہ تحقیقاتی رپورٹ کو کمیشن کے سامنے پہلی گواہی کے طور پر پیش کیا۔ سانحہ بہاولپور کی تحقیقاتی رپورٹ کیوں شائع کی گئی؟ ملک بھر میں پوچھے جانے والے اس ایک اہم سوال کا جواب محمد صلاح

الدین نے ۳ ستمبر ۹۲ء کو اپنے ایک تجزیہ میں دیا۔ اس تجزیہ سے ایک اہم اقتباس ہم یہاں دے رہے ہیں۔ ''مجھ سے جو ملتا تکبیر کی رپورٹ پر اپنے تاثرات بیان کرتا اور کچھ سوالات بھی پیش کرتا۔ بعض افراد یہ کھوج لگانا چاہتے تھے کہ آخر اس رپورٹ میں پیش کردہ معلومات کہاں سے آئیں؟ کیا یہ آئی ایس آئی کی فراہم کردہ ہیں یا فوج ہی کے کسی ذریعہ نے مہیا کی ہیں؟ کچھ لوگوں کا گمان یہ بھی تھا کہ کہیں یہ حکومت ہی نے فراہم نہ کی ہوں۔ ہمارے ملک میں سیاست اور صحافت کا کاروبار آج کل جس نہج پر چل رہا ہے اس میں اس طرح کی کھوج کرید بلا جواز نہیں ہے۔ حقائق اور معلومات کا بہرحال کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہوتا ہے لیکن تکبیر میں شائع شدہ رپورٹ کا ذریعہ کوئی سرکاری ایجنسی یا ادارہ نہ تھا یہ ہماری برسوں کی محنت اور پیشہ ورانہ تلاش و تجسس کا نتیجہ تھا۔ اس کے لیے ہم نے متعدد بار اپنے نمائندوں کو بہاولپور ملتان اور بستی لال کمال بھیجا انہوں نے سینکڑوں افراد سے ملاقاتیں کیں۔ علاوہ ازیں مختلف ذرائع سے حکومتی سطح پر ہونے والی تحقیقات کے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کی گئی حکومت کا تو ہر ادارہ خواہ سول ہو یا فوجی چار سال سے حقائق کو دبانے اس پر دبیز پردہ ڈالے رکھنے اور بوجوہ مجرموں کو بے نقاب نہ کرنے اور انہیں سزا سے تحفظ مہیا کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ دنیا کا عام چلن بھی یہی ہے کہ اس طرح کی سازشوں کو کبھی منظر عام پر نہیں لایا جاتا کیونکہ مصالح ریاست اس میں مانع ہوتے ہیں۔ عدل پر مصلحتیں غالب آجاتی ہیں۔ سازشوں اور قاتلوں میں امریکہ کا نام لینا سینکڑوں مفادات سے محرومی کا سبب بن سکتا ہے۔ پھر داخلی عناصر بھی معمولی سطح کے لوگ نہیں ہوتے۔ سازش بیرونی ہو یا داخلی سربراہ مملکت کو ٹھکانے

لگانے کا فیصلہ عام لوگ تو نہیں کیا کرتے۔ یہ وہ بااثر لوگ ہوتے ہیں جنھیں قتل کے بعد اپنے تحفظ کا پورا یقین و اطمینان ہوتا ہے بلکہ سازش کی تکمیل کے بعد زیادہ بااثر اور بلند مقام ہو جاتے ہیں۔ لیاقت علی خان، جان ایف کینڈی، انور السادات، اندرا گاندھی اور دیگر سربراہوں کے قتل آج تک معمہ بنے ہوئے ہیں۔ ایسے ہر سانحہ کے بعد ریاستی مشینیں اور پریس کے درمیان اخفا (concealment) اور افشا Exposures کی جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ حکومت کسی ایک یا بہت سے اسباب کی بناء پر حقائق کو مخفی رکھنا اور بتدریج قوم کے حافظہ سے المیہ کو محو کر دینا چاہتی ہے۔ جبکہ پریس اسے زندہ رکھنے، مجرموں کو بے نقاب کرنے اور انہیں تعزیر کے مرحلے تک پہنچانے کی جدوجہد میں لگا رہتا ہے'' محمد صلاح الدین کی اس وضاحت کی سچائی میں تو کوئی شبہ نہیں کہ متعدد بار تکبیر کے رپورٹر ناصر محمود نے بہاولپور ملتان و بستی لال کا دورہ کیا۔ لیکن رفیق افغان کی خصوصی تحقیقاتی رپورٹ کسی صحافی کی تلاش و جستجو سے بلند تر تھی۔ اس کا ماخذ کیا تھا۔ اللہ کے بعد اس راز سے محمد صلاح الدین، رفیق افغان واقف ہوں گے لیکن اس رپورٹ سے متعلق ۱۱ ستمبر ۹۲ء کے زندگی پرچے میں مجیب الرحمٰن شامی نے تکبیر کی رپورٹ کو سرمد سالک کی فراہم کردہ معلومات اور فضائیہ کے کسی سابق افسر کی رپورٹ پر مشتمل بتایا۔ اس کے جواب میں ۱۷ ستمبر ۹۲ء کے تکبیر میں محمد صلاح الدین نے مجیب الرحمٰن شامی کے کالم کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔'' شامی صاحب قدرے صبر سے کام لیں۔ کمیشن کی تحقیقات کا آغاز ہو گا تو ان پر بہت سے راز منکشف ہوں گے۔ بہت سے ذرائع سامنے آئیں گے اور ان کے سوالات کا جواب بھی فراہم ہو جائے گا۔ جہاں

تک ''محرک'' کے سوال پر میرے خاموش ہو جانے کا تعلق ہے۔ میں شامی صاحب کو اور متعدد دیگر حضرات کو یہ مختصر جواب دے چکا ہوں کہ اس پر بہت کچھ کہا جا چکا ہے۔ تکبیر اور زندگی میں سب سے زیادہ) یہ ایک بین الاقوامی سازش تھی اور امریکہ اس کا محرک اول اب تو صرف اتنا کام باقی ہے کہ اس میں شریک پاکستانی کارکنوں کی نشاندہی کی جائے اور انہیں گرفت و تعزیر سے گذارا جائے۔ ہر شریک سازش کے انفرادی محرکات اور مفادات کا انکشاف تو اس کی گرفتاری اور تفتیش کے بعد ہی ہو سکے گا'' سانحہ بہاولپور میں مرزا اسلم بیگ کے ملوث ہونے کے حوالے سے محمد صلاح الدین نے ۲۴ ستمبر ۹۲ء کو تجزیہ لکھا جس میں پاک فوج کے سابق سربراہ جنرل اسلم بیگ کے انٹرویو کا ناقدانہ جائزہ لیا۔ تکبیر کی تحقیقاتی رپورٹ کے حقائق پر سابق کمشنر بہاولپور ملک عبدالمجید کی چشم دید گواہی کو ایک انٹرویو کی صورت میں پیش کیا۔ تکبیر میں ایک طرف سانحہ بہاولپور اور ایم کیو ایم کے حوالے سے ''ہاٹ اسٹوری'' دی جا رہی تھیں تو دوسری طرف جماعت اسلامی کی داخلی و خارجی کمزوریوں پر مدیر تکبیر اور رپورٹر کی گرفت نے بھی محمد صلاح الدین کے ظاہری دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں رفیق افغان نہ صرف دفتر تکبیر میں اپنے قدم مضبوط کر چکے تھے بلکہ انہوں نے ٹیلی فون آپریٹر محمد اکبر کی صورت میں اپنے مہرے بھی دفتر میں مضبوط کرنا شروع کر دیے تھے۔ اکبر کو رپورٹنگ سائڈ کی طرف رفیق افغان ہی لے کر آئے۔ اکبر نہ صرف دفتر میں رفیق کے مفادات کی نگرانی کرتا بلکہ دفتر سے باہر بھی وہ رفیق افغان کے لیے کام کرتا۔ عطیہ اقبال زیدی کے والد سید اقبال احمد زیدی دفتر تکبیر میں ہفتے میں ایک دو دن آڈٹ کا کام کرتے تھے۔ رفیق افغان نے آہستہ

آہستہ اقبال احمد زیدی سے اپنے تعلقات بڑھانا شروع کیے۔عطیہ اقبال زیدی سے ان کا پہلے ہی صحافتی امور کے حوالے سے رابطہ رہتا تھا۔رفیق اور سعدیہ انجم شادی کے چار سال گزرنے کے بعد بھی اولاد کی نعمت سے محروم تھے۔ان کی بے اولادی سے متعلق عمومی طور پر یہی بات مشہور کی گئی تھی کہ سعدیہ انجم کسی جسمانی خرابی کی بناء پر ماں نہیں بن پا رہی ہیں۔گوکہ سعدیہ کا علاج ہو رہا ہے۔

سعدیہ انجم کی اسلام آباد سے کراچی شفٹنگ کے بعد اپنی سہیلی عطیہ سے رابطہ کم بلکہ بہت ہی کم ہو گیا تھا۔دونوں سہیلیاں ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے بھی دور تھیں۔سعدیہ اسے اپنے سسرال میں مصروفیت گردانتی لیکن چند مہینوں سے سعدیہ کو یہ احساس ہونے لگا تھا کہ رفیق افغان اس کی سہیلی (عطیہ) سے اس کے علم میں لائے بغیر رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔سعدیہ نے پہلے اسے اپنا وہم یا شبہ سمجھا مگر جلد ہی چند حقائق ایسے اس کے سامنے آئے تو وہ گھبرا کر رہ گئی۔سعدیہ انجم کے خالو شفیق احمد جو تکبیر میں سرکولیشن مینجر کے عہدے پر تھے۔انہوں نے دفتر میں عطیہ کی آمد و رفت کی خبریں سعدیہ کو پہنچانا شروع کر دیں۔کراچی آنے کے بعد رفیق افغان کی بے گانگی و عدم محبت کو پہلے تو سعدیہ نے رفیق کی مصروفیت جانا مگر جب یہ انکشاف ہوا تو ایک بیوی کی حیثیت سے سعدیہ کے کان کھڑے ہو گئے۔وہ اب رفیق افغان کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ ٹیلی فون و موبائل پر ہونے والی گفتگو پر بھی نظر رکھنے لگی۔سعدیہ انجم کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔یہ اندوہناک انکشاف سعدیہ کے لیے کسی دھماکے سے کم نہ تھا ایک طرف شوہر جس کی وفا اور محبت کا شیشہ ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا دوسری طرف سہیلی دوست کی محبت واعتماد نے

سعدیہ کو مجروح کر ڈالا۔ وہ ایک دن بپھری ہوئی شیرنی کی طرح رفیق افغان کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

سعدیہ: ''عطیہ سے تمہارا کیا تعلق ہے؟ وہ دفتر کیوں آتی ہے تم اسے فون کیوں کرتے ہو؟''

رفیق: ''تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے اور کچھ نہیں مجھے صحافتی امور نمٹانے کے لیے ہزاروں لوگوں سے رابطہ رکھنا ہوتا ہے اس میں مرد بھی ہیں عورتیں بھی۔ عطیہ سے میرا ایسا کوئی رابطہ نہیں جس کے لیے میں تمہیں جواب دہ ہوں۔''

مگر بات یہیں ختم نہیں ہوگئی۔ سعدیہ انجم کو ایسی خبریں بھی ملنے لگیں کہ عطیہ اکثر رفیق افغان کی گاڑی میں بھی دیکھی گئی۔ رفیق افغان اکثر عطیہ کو اس کے گھر سعود آباد ڈراپ کرنے جاتے۔ کچھ حلقوں سے یہ باتیں بھی اڑنے لگیں کہ رفیق افغان دوسری شادی کر رہے ہیں۔ سعدیہ انجم نے جب رفیق اور عطیہ سے پھر اس سلسلے میں بات کرنا چاہی تو دونوں ہی نے سعدیہ کو اس کی غلط فہمی اور شبہ قرار دیا۔ سعدیہ انجم نے کسی طرح رفیق افغان کے موبائل ٹیلی فون کے بلز حاصل کر لیے۔ یہ غالباً ۹۳ء کی ابتداء کی بات ہے۔ چند مہینوں کے ٹیلی فون بلز جو کئی ہزار روپوں پر مشتمل تھے۔ ان بلوں پر رفیق افغان کی طرف سے کیے گئے عطیہ اقبال زیدی کے گھر کا ٹیلی فون نمبر وقت ڈیوریٹنگ ٹائم درج تھا۔ یہ ٹیلی فون بل جب سعدیہ انجم نے ملکہ افروز روہیلہ کو دکھائے تو وہ بھی ایک لمحہ کو حیران رہ گئی۔ کیونکہ دن رات کے ہر حصے میں بیس پچیس سے زائد مرتبہ عطیہ کے گھر فون کیا گیا۔ یہاں تک کہ رات کے دو بجے، ڈھائی بجے، تین بجے تک کا وقت ان بلوں پر درج تھا۔ سعدیہ انجم نے جب پہلی بار ملکہ سے اپنے اس شبہ کا اظہار کیا تھا تو اسے یقین نہیں آیا

تھا۔ وہ اسے سعدیہ انجم کی غلط فہمی سمجھی تھی مگر اس واضح ثبوت نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے بجائے واضح کر دیا تھا۔

سعدیہ انجم نے ایک بار پھر رفیق افغان سے اس سلسلے پر بات کرنا چاہی تو رفیق نے پھر اس الزام کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ''عطیہ اقبال زیدی اپنے شوہر سے علیحدگی کے بعد ذہنی طور پر اپ سیٹ تھی۔ اس لیے وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ خود عطیہ کے والد اقبال زیدی صاحب نے کہا تھا کہ عطیہ کو کسی سہارے کی ضرورت ہے میں اس کے خلع کے معاملے کو بھی دیکھ رہا تھا''۔

رفیق افغان کی یہ وضاحت اور عطیہ کا ایسے کسی تعلق سے انکار بھی سعدیہ انجم کا دل صاف نہ کر سکا۔ سعدیہ انجم شوہر اور سہیلی دونوں کے اعتبار، پیار سے محروم ہو گئی تھی۔ ایک طرف ماں نہ بننے کا دکھ، الٹی سیدھی باتوں کے نشتر بھی سعدیہ کی زندگی اجیرن کر رہے تھے کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی وہ بانجھ ہے''۔ سعدیہ انجم اپنے دکھ کا اظہار آنسوؤں کی صورت میں اپنی دوسری سہیلی ملکہ افروز کے سامنے کر لیتی۔ رفیق افغان کی سعدیہ انجم میں عدم دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ سوچتی کہ آخر ایسی کیا مصروفیت ہے کہ رفیق اپنی بیوی کے لیے دن ورات میں سے چند گھنٹے تو دور کی بات ہے چند منٹ نہیں نکال سکتا۔ آخر اس کے ابا جان بھی تو اسی ادارے کے مدیر اعلیٰ ہیں بے شمار مصروفیت کے باوجود بھی ان کے پاس اپنی بیوی اور بچیوں (لے پالک عائشہ اور اسماء) کے لیے وقت نکل آتا ہے۔ سعدیہ انجم بہت کوشش کے باوجود بھی اپنا یہ دکھ اپنے ابا جان سے نہ چھپا سکی۔ محمد صلاح الدین نے ایک لمحے کو اپنی بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ ''انجم اس سلسلے میں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے سب ٹھیک

ہو جائے گا۔" سعدیہ انجم نے جیسے موبائل ٹیلی فون کے بلز اپنے ابا جان کے سامنے رکھے تو محمد صلاح الدین کے چہرے پر بھی ایک لمحے کو تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ رفیق افغان اکثر محمد صلاح الدین سے یہ کہتے کہ ان کا دل یہاں کراچی میں نہیں لگ رہا ہے وہ واپس اسلام آباد جانا چاہتے ہیں ایسا عموماً اس وقت ہوتا جب محمد صلاح الدین رفیق افغان کی رائے یا مشورے پر عمل کرنے کے بجائے اپنی بات یا فیصلے پر ڈٹے رہتے۔ محمد صلاح الدین بھی یہ محسوس کر رہے تھے کہ رفیق افغان کے مزاج میں تحکمانہ انداز زیادہ ہے اور وہ اپنے معاملات اور فیصلوں میں کسی کی شرکت بھی گوارا نہیں کرتا جبکہ ادارہ تکبیر تین ڈائریکٹران کے مشورے ورائے سے اپنے معاملات چلانے کا عادی تھا لیکن اب کہ ادارہ ایک فرد واحد کے ہاتھوں میں جاتا جا رہا تھا۔ محمد صلاح الدین نے سعدیہ انجم سے ایک دن کہا کہ اگر رفیق کراچی سے باہر کہیں بھی جانا چاہے تو تم ضرور اس کے ساتھ جاؤ گی اسے اکیلے نہیں چھوڑنا"۔ معلوم نہیں کہ یہ ایک باپ کا اندیشہ بول رہا تھا یا ایک صاحب طرز صحافی کی دور رس نظریں بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ ۱۸ مارچ ۹۳ء کو این ٹی ایم کے مقبول پروگرام "بلا تکلف" میں محمد صلاح الدین کا انٹرویو ٹیلی کاسٹ ہوا۔ اس پروگرام میں جہاں اور بہت سے سیاسی غیر سیاسی سوال جواب ہوئے وہاں بلا تکلف کے نعیم بخاری نے محمد صلاح الدین سے ایک سوال پوچھا۔ "آپ کا کیا نظریہ ہے کہ اگر ایک مسلمان ایک وقت میں ایک سے زائد شادیاں کرے ٹھیک ہے کر لینا چاہئے؟ محمد صلاح الدین نے جواب میں کہا۔ "دیکھئے ایک تو ہوتا ہے حکم ایک ہوتی ہے رخصت، اسلام میں یہ رخصت ہے لازماً نہیں کہ آپ تین چار شادیاں کریں۔ مثال کے طور پر ایک شادی کی، فرض کریں کہ اس کے

اولاد نہیں ہے۔ اسلام نہیں چاہتا کہ آدمی دنیا سے یونہی چلا جائے وہ اولاد کے لیے دوسری شادی کر سکتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے اس کی بیوی بیمار ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ شادی کے بعد اسے کسی اور عورت میں دلچسپی محسوس ہوئی۔ بجائے اس کے کہ وہ بغیر نکاح کے تعلقات رکھے اسے دوسرے نکاح کی اجازت ہے۔ اسلام نے اصل میں عورت و مرد کے تعلقات کو ضبط نکاح میں لا کر آزادانہ اختلاط کا راستہ بند کر دیا ہے۔ میں چند دن پہلے اخبار میں پڑھ رہا تھا کہ اس میں ۷ فیصد امریکیوں نے بڑے فخر کے ساتھ یہ کہا کہ ہمارے تعلقات سو سے زیادہ عورت یا مردوں سے ہیں سوال یہ ہے کہ یہ آزادنہ روش کہ نکاح تو آپ ایک سے کریں اور بغیر نکاح کے تعلقات ہزاروں کے ساتھ رکھیں۔ یہ صورت بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اگر آپ ایک پر اکتفا نہیں کر پا رہے کسی وجہ سے تو آپ دوسرا، تیسرا چوتھا نکاح کر لیں کیونکہ نکاح سے ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ بغیر نکاح کے آپ کے تعلقات تو ہزاروں سے ہیں لیکن آپ کوئی ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتے۔ اسلام یہ غیر ذمہ دارانہ روش نہیں چاہتا'' محمد صلاح الدین کے یہ خیالات ان کی حقیقی زندگی کے آئینہ دار تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر رفیق افغان کو اس بات کی اجازت دے رکھی تھی کہ اگر سعدیہ انجم سے اولاد نہیں ہوتی ہے تو وہ دوسرا نکاح کرنے میں آزاد ہیں۔ لیکن وہ آزادانہ اختلاط یا چوری چھپے آشنائی کے شدید مخالف تھے۔ رفیق افغان کو محمد صلاح الدین کے ان خیالات کا علم تھا۔ سعدیہ انجم نے جب دو تین مرتبہ اپنے ابا جان کے سامنے رفیق افغان کی بے اعتنائی اور بے وفائی کا روتے ہوئے ذکر کیا تو محمد صلاح الدین کا ایک ہی جواب ہوتا۔ ''انجم زندگی کو روتے ہوئے سمجھوتوں کے ساتھ گزارنے سے بہتر ہے کہ وقت پر صحیح

فیصلہ کرلیا جائے۔تم رفیق کے ساتھ رہنا چاہتی ہو یا نہیں"۔سعدیہ انجم کے لیے رفیق افغان کی بے وفائی و بے اعتنائی کے باوجود یہ فیصلہ کرنا انتہائی ناممکن تھا رفیق ان کے لیے صرف شوہر ہی نہیں محبوب شوہر تھا۔وہ جانتی تھی کہ رفیق کا اب بھی فون پر برابر عطیہ سے رابطہ رہتا ہے۔مگر وہ رفیق کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

محمد صلاح الدین نے ۲۸ مئی ۹۳ء کو جنرل مرزا اسلم بیگ کی تنظیم "دی فرینڈز" کے ایک سیمنار میں شرکت کی جس کی دعوت مرزا اسلم بیگ نے انہیں سانحہ بہاولپور کی رپورٹ چھپنے سے پہلے دی تھی۔رفیق افغان نے محمد صلاح الدین کو سختی سے منع کیا کہ وہ فرینڈز کے سیمنار میں شریک نہ ہوں۔لیکن محمد صلاح الدین اپنے فیصلوں پر ہمیشہ آزاد و خودمختار رہے تھے۔انہیں رفیق کا یہ انداز قطعی اچھا نہ لگا۔ انہوں نے رفیق افغان کے منع کرنے کے باوجود مرزا اسلم بیگ کے پروگرام فرینڈز سیمنار میں شرکت کی۔رفیق افغان کو محمد صلاح الدین کی یہ جرات بالکل اچھی نہ لگی۔رفیق نے نہ صرف زبانی بلکہ تحریری طور پر بھی اپنا احتجاج محمد صلاح الدین کو دیا۔

مجبوراً محمد صلاح الدین کو ۴ جون ۹۳ء کے پرچے میں "فرینڈز کے سیمنار میں شرکت کیوں؟ مدیر تکبیر سے ایک سوال اور اس کا جواب کے طور پر وضاحت کرنا پڑی قارئین کے حوالے سے لیکن حقیقت یہ تھی کہ سب سے زیادہ سوال احتجاج رفیق افغان نے کیا تھا۔ادارتی اُمور میں بھی رفیق افغان کی دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔عموماً تکبیر کے اداریے تحریر کرنے سے پہلے تکبیر کے اداریہ نویس پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ اور محمد صلاح الدین فون پر موضوع ڈسکس کرنے کے بعد اداریہ لکھتے لہٰذا ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ متین

© CreativeSam Creation

فرینڈز کے پروگرام میں آپ کی شرکت سے ذاتی طور پر مجھے خاصی

تکلیف ہوئی ہے۔ اس کے اسباب آپ سے پوشیدہ نہیں۔ ہم

نے جنرل مرزا اسلم بیگ صاحب کے بارے میں سانحہ بہاولپور کے حوالے

سے جو شکوک کا اظہار کیا تھا اور ان کے رول کے بارے میں جو سوالات

اٹھائے تھے وہ تا حال اُن میں سے ایک کا بھی جواب نہیں دے پائے ہیں۔

ضیاء الحق کے قتل میں ملوث ہونے یا قاتلوں کی پردہ پوشی میں شریک رہنے

کا الزام اب بھی ان پر چسپاں ہے۔ ان حالات میں جبکہ ہم ایک

فرد کے رول کو ایکسپوز کرنے کے سلسلے میں [illegible] اُس سے جواب طلب

کرتے ہیں [illegible] آپ کا اُس کی ذاتی تنظیم فرینڈز کے [illegible] پلیٹ فارم سے

لوگوں کے سامنے آنا [illegible] الزامات

(۱) سانحہ بہاولپور کے حوالے سے اسلم بیگ پر لگائے گئے الزامات

میں صداقت نہیں [illegible]

(۲) کسی لالچ، خوف یا دباؤ کے باعث اب تکبیر کو ان پر اصرار

نہیں رہا اور معاملہ رفت گزشت ہو گیا ہے۔

[illegible]

خود ہمارے عمل کے بارے میں سوالیہ نشان پیدا کرے گا

[illegible] اسلم بیگ کے برابر [illegible] شکوک کا ازالہ کیسے ہوگا؟

غور کریں تو [illegible]

(۴)

ویسے بھی [illegible] جب ہم کسی فرد کے بارے میں بدمعاملگی یا قانون توڑنے

کا الزام لگاتے ہیں تو [illegible] تکبیر جیسے فارم پر ہمارا اُس کے ساتھ نظر آنا

اخلاقی طور پر درست نہیں۔ ہاں — وہ اپنی وضاحت یا صفائی یا معذرت

کے لئے ملاقات کرنا چاہے تو اس میں حرج نہیں۔ یہ واضح رہے کہ بیگ صاحب

ابھی تک عوامی سطح پر [illegible] سانحہ بہاولپور کے مشکوک کردار کی حیثیت

رکھتے ہیں اور یہ [illegible] اسٹیبلشمنٹ کا ہے۔ [illegible]

اپنی وضاحت کے لئے تکبیر سے کوئی رابطہ نہیں کیا ہے

سوال یہ ہے کہ جن وجوہات کی بنا پر آپ پیپلز پارٹی کی دعوت

کسی فورم کی (خواہ وہ کوئی علمی نوعیت ہی کا کیوں نہ ہو) [illegible]

قبول کرنے سے احتراز کرتے ہیں، وہی یا ان سے ملتی جلتی وجوہات فرینڈز

کے سلسلے میں کیوں آڑے نہیں آتیں؟ [illegible] تکبیر نے پاکستان

پیپلز پارٹی اور بے نظیر کے رول پر جو موقف اختیار کیا ہے

اگر سانحہ بہاولپور کے حوالے سے اسلم بیگ کے بارے میں [illegible] موقف اختیار

نہ بھی کیا جائے تو بھی اتنا التزام تو ضرور ہونا چاہئے کہ آپ کو یا تکبیر کے

کسی ذمہ دار فرد کو اسلم بیگ کے کاندھے سے کاندھا ملائے اخبارات

کی سرخی بنتا نہیں دیکھا جانا چاہئے۔ میرے خیال میں یہ ہماری

ذمہ داری ہے۔ ہمارے بیشتر قارئین کی جانب سے

[illegible] اور سب سے بڑھ کر اللہ کی جانب سے کیونکہ ہم کسی فرد، گروہ یا

[illegible] بارے میں کوئی رائے قائم کرلیں تو اخلاص، انصاف اور باطنی عمل

[illegible]

میرا خیال ہے [illegible] اس احتراز کو

[illegible] قرار دوں۔ لیکن اتنا ضرور کہنا چاہوں گا

[illegible]

مرزا اسلم بیگ کی تنظیم فرینڈز میں محمد صلاح الدین کی شرکت پر رفیق افغان کے تحفظات کا تحریری عکس

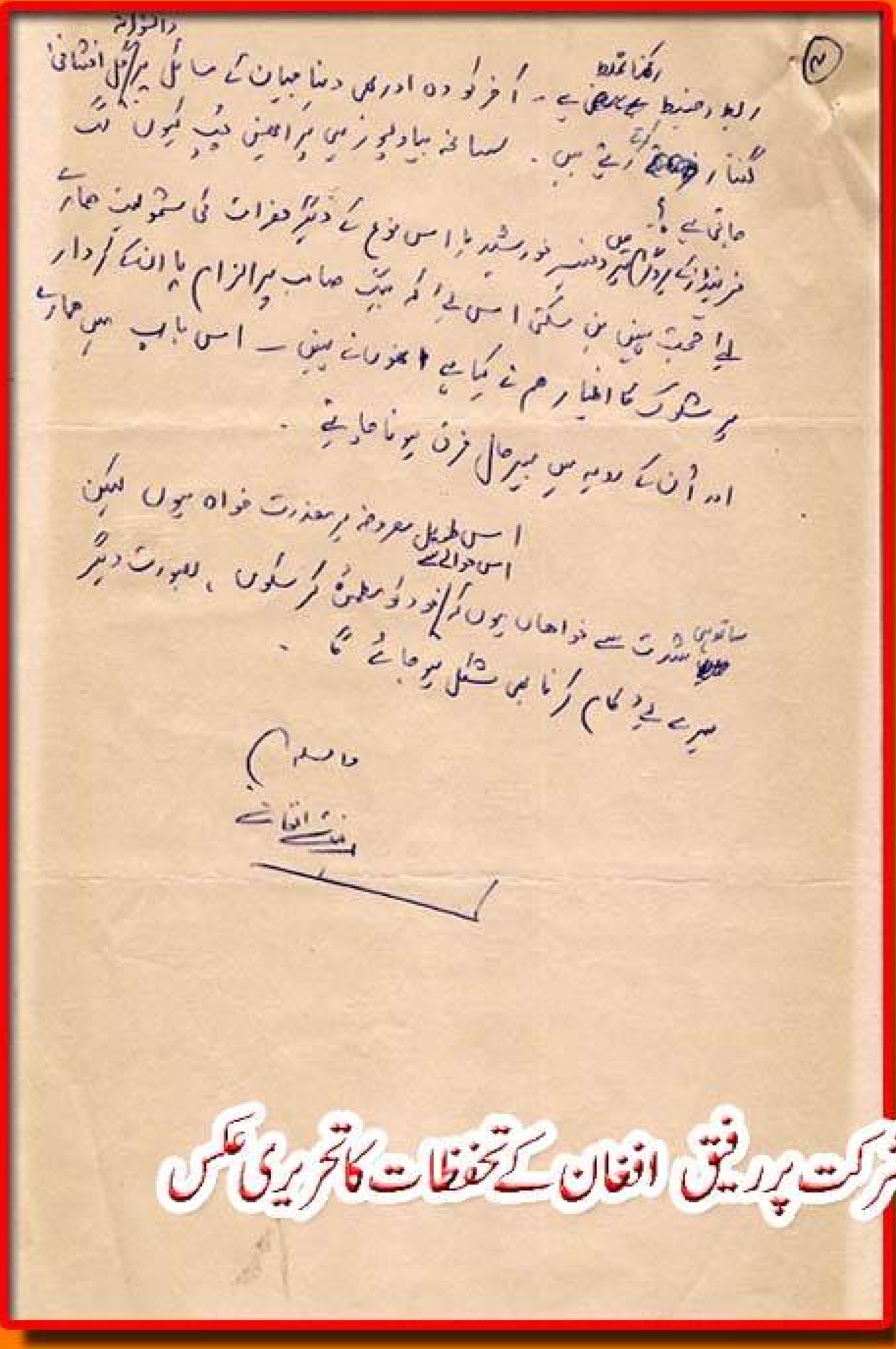

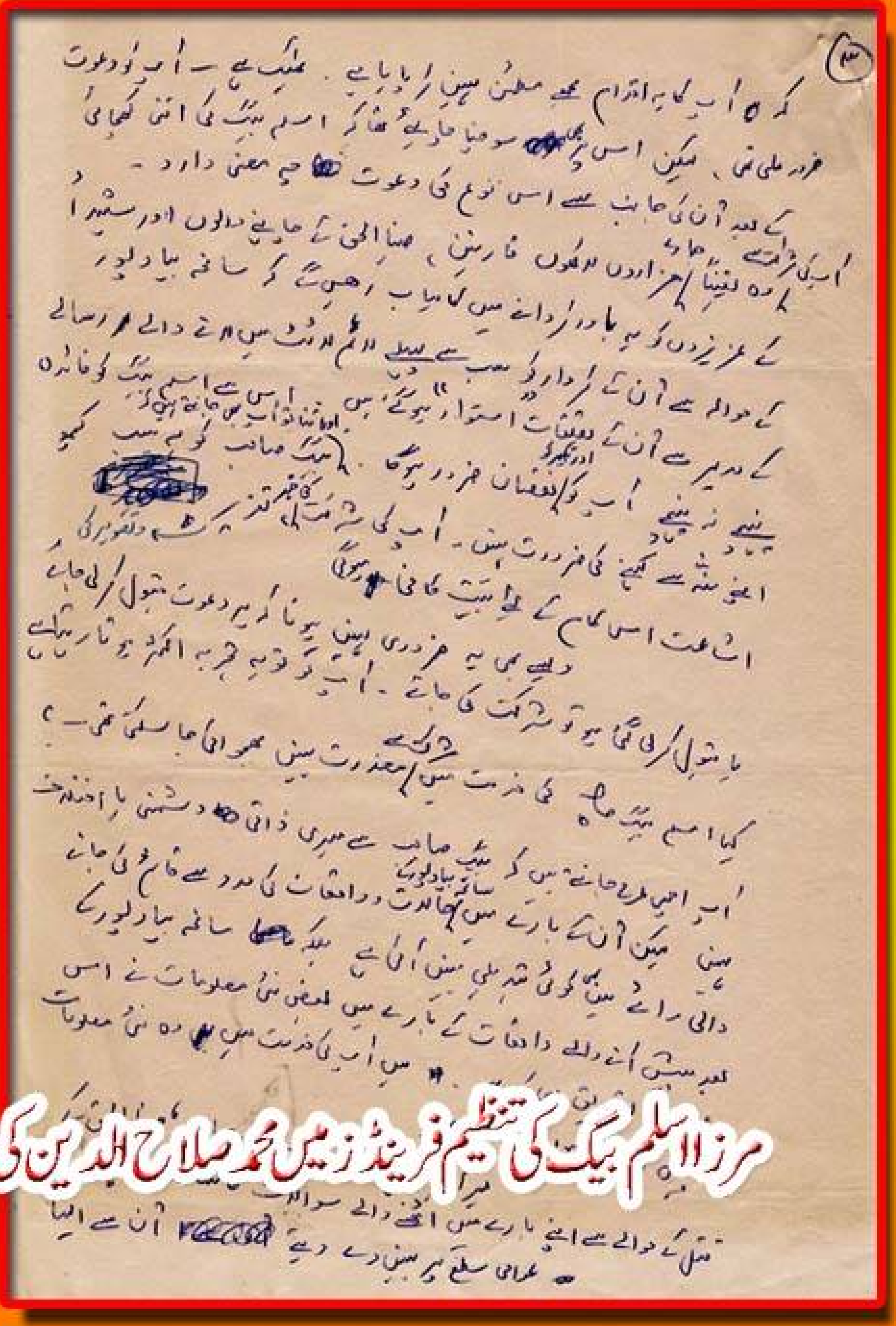

مرزا اسلم بیگ کی تنظیم فرینڈز میں محمد صلاح الدین کی شرکت پر رفیق افغان کے تحفظات کا تحریری عکس

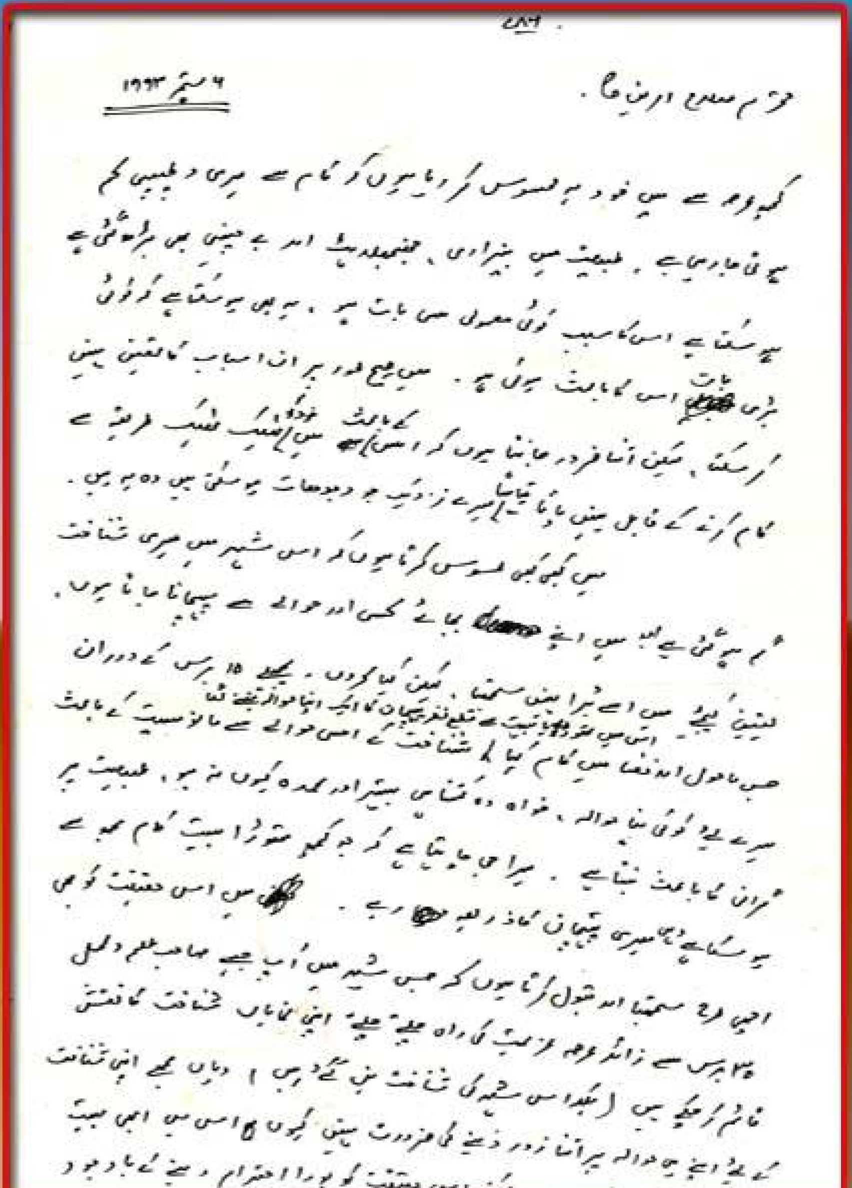

۲۸۹

محترم صلاح الدین صاحب۔

۶ ستمبر ۱۹۹۳

کچھ عرصے سے میں خود یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کام سے میری دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے۔ طبیعت میں بیزاری، جھنجھلاہٹ اور بے چینی بڑھ گئی ہے ہو سکتا ہے اس کا سبب کوئی معمولی سی بات ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی بڑی بات اس کا باعث ہوئی ہو۔ میں صحیح طور پر ان اسباب کا تعین نہیں کر سکتا، لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس کے باعث میں [illegible] کام کرنے کے قابل نہیں پاتا۔ میرے نزدیک جو وجوہات ہو سکتی ہیں وہ یہ ہیں۔

میں کبھی کبھی محسوس کرتا ہوں کہ اس شہر میں میری شناخت گم ہو گئی ہے اور میں اپنے بجائے کسی اور حوالے سے پہچانا جاتا ہوں۔ [illegible] مجھے ۱۵ برس کے دوران [illegible] میں نے اسے برا نہیں سمجھا، لیکن گوارا کیا۔ [illegible] پہچان کا ایک اہم حوالہ تھا جس ماحول اور فضا میں کام کیا، شناخت کے اس حوالے سے مانوسیت کے باعث میرے لیے کوئی نیا حوالہ، خواہ وہ کتنا ہی بہتر اور عمدہ کیوں نہ ہو، طبیعت پر گراں گزرنے کا باعث بنتا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جو کچھ [illegible] کام سے ہو سکتا ہے وہی میری پہچان کا ذریعہ رہے۔ میں اس حقیقت کو بھی اچھی طرح سمجھتا اور قبول کرتا ہوں کہ جس شہر میں آپ جیسے صاحبِ علم و فضل ۲۳ برس سے زائد عرصہ عزت کی راہ چلتے چلتے اپنی نمایاں شناخت کا نقش قائم کر چکے ہیں (بلکہ اس شہر کی شناخت بن گئے ہیں) وہاں مجھے اپنی شناخت کے لیے اپنے ہی حوالے پر اتنا زور دینے کی ضرورت نہیں [illegible] اس میں اپنی حیثیت لیکن اس حقیقت کو پورا احترام دینے کے باوجود

۶ ستمبر ۱۹۹۳ء میں محمد صلاح الدین کے نام لکھے گئے رفیق افغان کے اُس ذاتی خط کا عکس جس میں انہوں نے اپنی افتادِ طبع کے سبب تکبیر سے علیحدگی کا خیال ظاہر کیا

میں اس خلش کی منطقی تشریح سے قاصر ہوں ۔

۲ — یہ سُنتا ہوں اس کا سبب یہ ہو کہ میں نے خود کو افغانستان سے اتنا پیوستہ و وابستہ کر لیا تھا کہ اس سے علیحدگی کے بعد ، اب تک خود کو سنبھالنے میں کامیاب نہ ہو پایا ۔ حالانکہ یہ بات درست ہے کہ بیان کیا جانے والا نام بجائے خود ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے ۔

۳ — کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ کام سے کم میرے نزدیک (اس کی انفرادی کارکردگی کا ایک جیسی [illegible]) اس کا اس سے اختلاف کا حق ہر ایک کو ہے اور میں اختلافی دلیل کو قبول کرتا ہوں) اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ۔ پالیسیاں بنانے اور ان پر عمل درآمد کرنے والا حلقہ نہ تو ہماری بات سنتا ہے ، نہ سمجھتا ہے اور نہ اہمیت دینے میں دلچسپی رکھتا ہے ۔ رہے عوام تو وہ بیچارے یہ سب پڑھ کر بھی کیا کر سکتے ہیں ۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے پر کچھ نہیں کر سکتے تو ہمارے لکھے پر رد عمل تو اور بھی دور کی بات ہے ۔ اس کے برعکس ، دو برس کے عرصہ میں جتنا کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے ، اس سے میری یہ رائے اور بھی پختہ ہو گئی ہے کہ اب قومی معاملات اس سطح کو عبور کر چکے ہیں جہاں توجہ دلاؤ نوٹس قسم کی تحریریں کچھ اثر دکھا سکتی ہیں ۔ ان کی درستی کا ایک ہی علاج ہے ۔ آپ بہتر سمجھتے ہیں کہ میرا اشارہ کس جانب ہے ۔

۴ — ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ۱۰ برس حالتِ جنگ میں کام کرنے والوں کے ساتھ رہنے سے حالتِ جنگ اور حالتِ امن کے مختلف مسائل کے حل کے لیے اختیار کیے جانے والے طریقہ کار کے فرق کو سمجھ نہ پا رہا ہوں ۔ فقط میں کام کرنے کے طریقوں میں جیسے بنیادی نوعیت کے فرق [illegible] میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ جب کام کا فیصلہ ہو جائے ، بس وہ ہو جائے ، باقی سب کام تک جائیں ، اور جب تک کام ختم نہ ہو اس وقت تک مسلسل لگے رہیں ۔ ظاہر ہے کہ دفتروں سے اس طرح کی توقع ذرا زیادتی ہوگی ، لیکن روزمرہ کارکنان کی کیا مشکل ، ان کے خلاف فوری کے امور میں طریقہ کار [illegible] فوری فیصلے کرنے کے باوجود [illegible] کر سکنے [illegible] اقدامات [illegible]

سے طبیعت میں عدم دلچسپی اور چڑچڑا پن آ گیا ہے ۔ اس بارے میں قطعیت سے کوئی مثال نہ دینے پر معذرت چاہتا ہوں ۔ لیکن دفتر کا عمومی ماحول ایسا ہے کہ دل چاہتا ہے سوائے آپ کے اور کے سب کو کان پکڑ کر باہر نکال دوں ۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل نا مناسب بھی ہے اور حکمت کے خلاف بھی ، اسی لیے ایسا تو نہیں کر پاتا لیکن طبیعت پر بوجھ بڑھ جاتا ہے ۔

۵ — اب تک (انگریزی میں باقاعدہ آنے سے قبل تک) انفرادی حیثیت اور سطح پر ہی کام کرنے کا عادی رہا ، خود کوئی پراجیکٹ بنانا ، اور خود ہی اس پر عمل کرنا ۔ اس طریقے سے کام کی رفتار میں تو تیزی آ جاتی تھی لیکن نقصان یہ ہوا کہ بیشتر وقت میں کام کرنے کے تجربے سے بڑی حد تک محروم رہا ۔ جہاں بسا اوقات اپنی طبیعت پر جبر کر کے بعض ایسے اقدامات سے بھی صرف نظر کرنا پڑتا ہے جن پر (انفرادی حیثیت میں) کارروائی ناگزیر سمجھی جاتی ہے ۔

۶ — پہلے سے زیادہ تنہائی پسند ہوتا جا رہا ہوں ۔ اگرچہ پریشانی بھی ہونے لگتی ہے جس سے قبل از ان نا آشنا تھا ۔ (ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے ایک محدود دائرہ کھینچ [illegible]) اور یا کسی بڑے مقصد یا ہدف کے بغیر ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں ۔

میری درخواست ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے مجھے رخصت دے دیں ، تاکہ اس عرصہ میں اپنی ذہنی کیفیت کا درست تجزیہ کر کے آئندہ کے لیے لائحہ عمل ترتیب دے سکوں ۔ کسی یکسوئی کے بغیر کام کرتے رہنے سے نہ میں کام سے انصاف کر سکوں گا نہ خود سے —

امید ہے میری گزارشات کو رد نہیں فرمائیں گے ۔ کیونکہ آپ تک پہنچنے کے باوجود یہ سوچ کر آپ سے بات کرنے سے پرہیز [illegible] کیونکہ اس کیفیت میں ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں کمی آنی ہے [illegible]

والسلام

[illegible] افغانی

الرحمٰن مرتضی کے لکھے ہوئے اداریے پر محمد صلاح الدین کو اعتراض ہو کیونکہ محمد صلاح الدین اور متین الرحمٰن مرتضی کی اداریہ نویسی پر رات میں تفصیلی بات ہو جاتی۔ رفیق افغان نے مدیر منتظم کی سیٹ سنبھالنے کے بعد متین الرحمٰن مرتضی کے اداریوں پر قلم لگانا اپنا فرض اولین سمجھ لیا یہ ایک ایسا پوائنٹ تھا جس پر متین الرحمٰن مرتضی ناراض ہو جاتے اور محمد صلاح الدین سے اس کی شکایت کرتے ایسا اکثر اس وقت زیادہ ہوتا جب محمد صلاح الدین غیر ملکی دوروں پر ہوتے۔

اگست ۹۳ء میں قومی وصوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے شیڈول کا اعلان ہوتے ہی ملک کے سیاسی وصحافتی حلقوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی سیاسی افق پر بظاہر دو سیاسی جماعتوں پاکستان پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کا جھنڈا لہراتا نظر آرہا تھا۔ ملک کی دیگر دینی جماعتوں کا وزن ان دو پارٹیوں کے مقابلے میں خاصہ کم تھا۔ البتہ جماعت اسلامی کی طرز سیاست اور تنظیم کی بناء پر ماہرین جماعت کو بھی تیسری بڑی قوت کہنے لگے تھے۔ محمد صلاح الدین سیاست میں جس صاف ستھری دیانت دار قیادت کے خواہشمند تھے۔ وہ انہیں دینی جماعتوں کے ہاتھوں رسوا ہوتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ کیونکہ ۹۳ء کے انتخابات میں ''نادیدہ قوتوں'' نے ایک ایسا جال پھیلایا تھا جس میں پھنس کر دینی جماعتوں کا وزن وبھرم ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ دینی سیاست ووٹوں کے ذریعہ مسترد کردی جائے۔ محمد صلاح الدین اپنی دوررس نظروں سے یہ چال بھانپ چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے تکبیر میں تجزیوں کے ذریعہ رائے سازی کا اہم ترین فریضہ انجام دیا۔ پاکستان میں ہونے والے انتخابات سے متعلق ''اہم ترین باخبر ذرائع'' کا یہ کہنا ہے کہ ملک

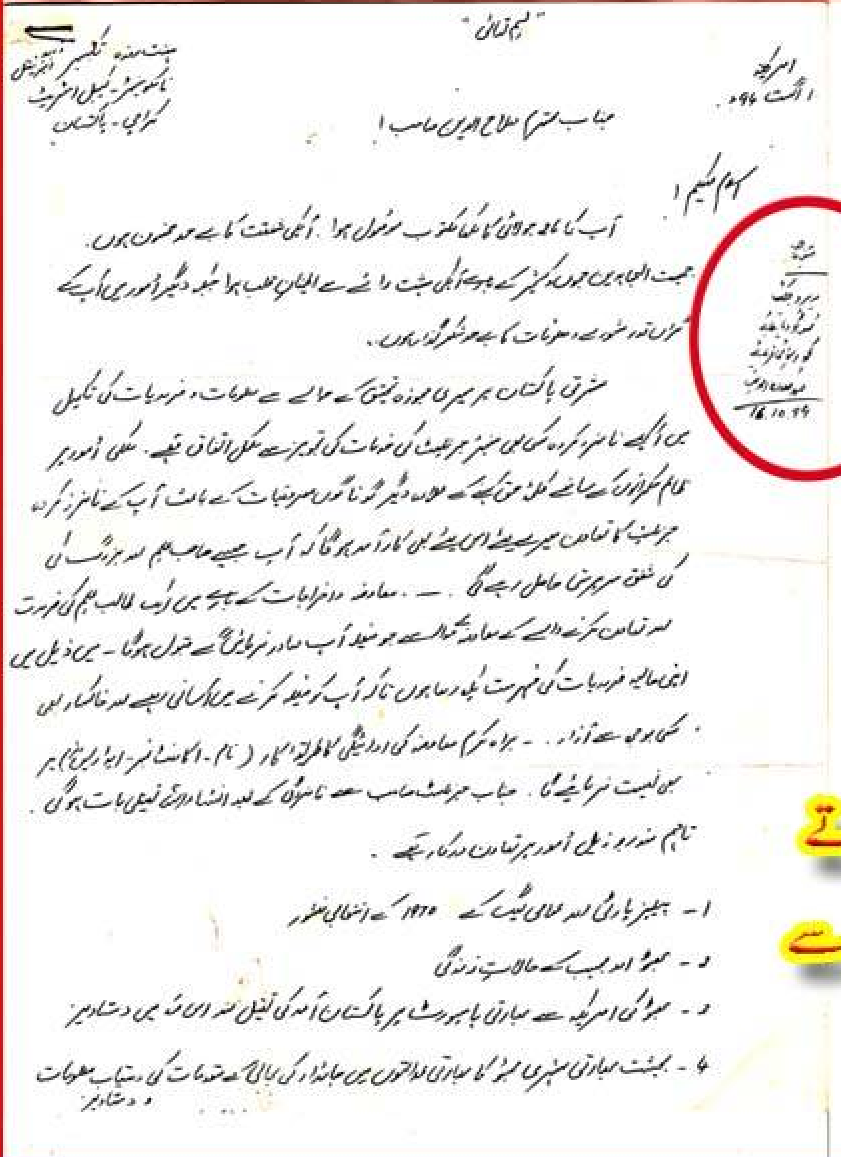

محمد صلاح الدین (شہید) اپنے رفقاء کار سے مشاورت کرتے دائرے میں پروفیسر متین الرحمٰن مرتضیٰ اور ملکہ افروز روہیلہ سے مشاورت کی عکسی مثال

بسم تعالیٰ

بخدمت مدیر تکبیر ادارہ تکبیر
ناظم آباد نمبر ۔ بیل اسٹریٹ
کراچی ۔ پاکستان

R/ 12/10

امریکہ
5 اکتوبر 1996ء

جناب محترم محمد صلاح الدین صاحب!

السلام علیکم!

ماہ جولائی 96ء میں آپ کے شفقت نامے کی وصولی کے بعد 11 اگست کو بندہ ناچیز نے آپ کی خدمت میں درخواست تحریر کی تھی۔ جس میں آپ کے "تکبیر" کے شمارے کے بعد ہی مجوزہ مشرقی پاکستان کے بابت میں ... آپ کی طرف سے کسی محترم صحافی کے مقررہ مواد کی فراہمی و معاوضہ وغیرہ کی بابت اپنی رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ — میں ... کا ایک مسودہ آپ کی خدمت میں بغرض ارسال کر رہا ہوں۔

[illegible]

آپ کی بے حد مصروفیات سے وقت کی کمی کا مجھ کو احساس ہے۔ تاہم میرا نے دوستی کی طرف بھی آتے ہیں۔ اور آپ کو اس بندۂ ناچیز پر شفقت کرنا ہے۔ ... کسی بھی ... وابستہ ہیں لکھا ہوں امید ہے آپ کی طبیعت و شفقت کا منتظر رہوں گا۔

رب کریم ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین۔

والسلام
خاکسار
محمد ایوب

MUHAMMAD AYUB
P.O. Box 7292
ATLANTIC CITY, NJ 08404
U.S.A.

5 - معاہدہ تاشقند کا متن + اس کا اردو
6 - جنگ ستمبر 65ء میں ... جنرل اختر حسین ملک کا کردار - تفصیل
7 - 1965ء اور 1971ء میں پاکستانی و بھارتی افواج و اسلحہ کا تناسب و تفصیل (بری - بحری - فضائی) اور جنگ میں ہونے والے نقصانات - فوجی و شہری
8 - جنرل اسکندر مرزا - جنرل ایوب خان - جنرل یحییٰ خان - جنرل اکبر - جنرل یعقوب خان
جنرل پیرزادہ - جنرل اسحاق - جنرل نیازی - جنرل ٹکا خان - جنرل گل حسن
جنرل الحمید خان - ایئر مارشل رحیم
- حالات زندگی - پیدائش - فوج میں کمیشن - ترقیاں - حوالہ وغیرہ
9 - صدر ایوب کے تاشقند سے واپسی پر تقریر کا متن + صدر یحییٰ کے اقتدار سنبھالنے پر تقریر - اردو میں + مارچ 71ء میں فوجی ایکشن کے حوالے سے تقریر کا متن و دیگر اہم تقاریر کے متن (اردو ترجمہ)
10 - 1970ء میں مشرقی پاکستان میں آنے والے سمندری طوفان (سائیکلون) کے حوالے سے غیر ملکی امدادی کارروائیوں کے سبب میں اسلحہ کی آمد وغیرہ کی تفصیلات - حوالہ جات - معلومات
11 - چین کے خفیہ دورے پر جانے کے لیے کسنجر کی پاکستان آمد - چین امریکہ تعلقات میں پاکستان کا کردار تفصیلات
12 - شیخ مجیب کی اہم تقاریر کے متن - شیر بنگال مولانا بھاشانی کی تقاریر - تین بار انتخابات اور نتیجوں کا حوالہ
13 - جنرل نیازی کے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز کا متن مع بھارتی رپورٹ وغیرہ
14 - شیخ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد بہاریوں کا ... "تم ملک ..." کے حوالے سے جنگ - بہاریوں سے متعلق اخبارات میں شائع شدہ اشتہارات

جناب صلاح الدین صاحب یہ وہ امور ہیں جن پر مجھے مواد و تصاویر کی فہرست ہے ... مواد کے حوالے سے تقریباً 650 صفحات "فل سائز" لکھ چکا ہوں۔ تاہم بہت سی باتیں ہیں ... 1971 کا پورا سال۔ آپ کی دعاؤں و شفقت کا منتظر رہوں گا۔

والسلام
خاکسار
محمد ایوب

MUHAMMAD AYUB
P.O. Box 7292
ATLANTIC CITY, NJ 08404

میں ہونے والے انتخابی نتائج پلانئیڈ ہوتے ہیں۔ فیصلے بالا ہی بالا ہو چکے ہوتے ہیں کہ اقتدار کا ہما کس کے سر بجنا ہے۔ ملکی سیاسی جماعتیں و تنظیمیں تو سیاسی بساط پر پھیلے ہوئے مہرے ہیں۔ جو وقت کے ہاتھوں سے اپنی اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

۹۳ء کے انتخابات میں بھی مذکورہ بالا تجزیہ کی سچائی نظر آئی، نادیدہ قوتیں چونکہ نواز شریف کی ناکامی اور بینظیر کی کامیابی کا فیصلہ کر چکی تھیں۔ اس لیے جماعت اسلامی کی اسلامی فرنٹ کے نام سے تنہا پرواز نے نہ صرف بے نظیر کی حکومت کے لئے راستہ آسان کیا بلکہ جماعت اسلامی نے اسلامک فرنٹ، پاسبان کے رنگ برنگے لبادوں میں جماعت کے دینی رنگ اور مزاج اسلامی مزاج کو ہمیشہ کے لیے کھودیا۔ جماعت اسلامی ''نادیدہ قوتوں'' کے اشارے پر اپنا ٹریک تبدیل کر چکی تھی اور اس تبدیلی پر گرفت کرنے والا صحافتی محاذ پر محمد صلاح الدین مدیر تکبیر تھا۔

محمد صلاح الدین نے جماعت اسلامی کے اسلوب سیاست پر کھل کر تنقید کی۔ اپنے لیے مخالفین کا ایک اور محاذ کھول دیا انہوں نے انتہائی اخلاص کے ساتھ ۲۳ ستمبر ۹۳ء کے تجزیے میں لکھا ''بے نظیر کی کامیابی امریکہ کی کامیابی بے نظیر کی شکست امریکہ کی شکست اسلامی فرنٹ کی حکومت ناممکن امریکہ کی شکست ممکن۔ امریکہ کو شکست دینے کا عزم رکھنے والے اسلامی فرنٹ کو بے نظیر کا حریف ہونا چاہئے وہ امریکہ کا شکار ہونے والے نواز شریف کا مدمقابل ہے۔ اسلام کا مجموعی مفاد قاضی حسین احمد کو نواز شریف کی نسبت زیادہ عزیز ہونا چاہئے۔ تکبیر کا روئے سخن اسی لیے ان کی جانب سے زیادہ رہا''۔ ۹۳ء کے انتخابات کے نتائج نے محمد صلاح

الدین کے تمام صحافتی اندیشوں کو سچ ثابت کردیا۔ مسلم لیگ نواز شریف نے ۴۰ فیصد پیپلز پارٹی نے ۳۸ فیصد اور اسلامی فرنٹ نے صرف ۳ فیصد ووٹ حاصل کیے۔ ایم کیو ایم الطاف گروپ نے قومی اسمبلی کے انتخاب کا بائیکاٹ کر کے کراچی کے شہری عوام کو قومی سیاسی افق سے کاٹ دیا ایم کیو ایم آفاق گروپ قومی اسمبلی کے انتخابات میں شریک ہوا لیکن ایجنسیوں کی سرپرستی کی چھاپ نے ایسے عوامی حمایت سے محروم رکھا۔ صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں الطاف گروپ کی شمولیت اور آفاق کی سبکدوشی نے ایک بار پھر ایم کیو ایم سے متعلق الزامات پر عوام کو سوچنے کا موقع دے دیا۔ بعد میں اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں نے اس الزام کی سچائی کو ثابت کردیا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ خفیہ معاہدہ کا نتیجہ تھا۔ بائیکاٹ کا یہ فیصلہ ایک باقاعدہ ڈیل (Deal) تھا اور یہ اتنا بڑا سودا تھا جس کے نتائج، مضمرات نے مہاجروں کو حقیقتاً دیوار سے لگا دیا۔ محمد صلاح الدین نے ۹۳ء کے انتخابی نتائج سامنے آنے کے بعد جماعت اسلامی یا اسلامک فرنٹ کی شکست پر قائدین جماعت کا صحافتی تعاقب جاری رکھا۔ ان کے خیال میں قومی زندگی پر اثر انداز ہونے والی کسی بھی پالیسی اور حکمت عملی پر تنقید و احتساب ہمارے ایمان کا تقاضہ ہے"۔ محمد صلاح الدین کی تنقید و احتسابی طرز صحافت کے جواب میں جماعت اسلامی نے ان کے خلاف اپنی پروپیگنڈہ مہم تیز کردی۔ مدیر تکبیر پر "جماعت اسلامی کی صفوں میں انتشار و نفاق کے لیے مامور اور آن ڈیوٹی ہونے کا بہتان لگایا گیا۔ ان سے منسوب یہ بیان عام کیا جانے لگا کہ محمد صلاح الدین نے قسم کھائی ہے کہ وہ جماعت اسلامی حقیقی بنا کر دم لیں گے۔" یہ اور اس جیسی خرافات کے ساتھ ۱۰ لاکھ روپے کے جعلی چیک کی عکسی

کاپیاں تقسیم کی گئیں کہ محمد صلاح الدین نے دولت کی خاطر جماعت پر تنقید کی اور اسلامی فرنٹ کی ناکامی کا راستہ آسان کیا۔

مدیر تکبیر اپنی زندگی کے نازک ترین دور سے گذر رہے تھے۔ ایم کیو ایم پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی جیسے کھلے محاذوں کے علاوہ بھی سینکڑوں ایسے چھپے دشمن تھے جنھیں محمد صلاح الدین کے بلند کردار اخلاقی اوصاف، حق وسچائی کے لیے بہادری وبیباکی سے ڈٹ جانے کی خصوصیت نے خوفزدہ کیا ہوا تھا۔ وہ اس وقت چومکھی لڑ رہے تھے۔ ''پیپلز پارٹی کا تیسرا دور حکومت کے'' عنوان سے انہوں نے نومبر ۹۳ء میں تجزیہ لکھا جس میں بتایا کہ ''تکبیر، مدیر تکبیر اور معاون مدیران تکبیر کے بارے میں جو قبل ازیں روزنامہ جسارت کراچی سے وابستہ رہ چکے ہیں۔ ایک عام تاثر یہ ہے کہ انہیں پیپلز پارٹی سے خداواسطے کا بیر ہے۔ اس پارٹی کی مخالفت کو انہوں نے جزو ایمان بنا رکھا ہے اور مدیر تکبیر بھٹو دور میں اپنی ڈھائی سالہ قید، مقدمات کی بھرمار اور اخبار کی متواتر بندش اور کچھ دوسرے ''ذاتی صدمات'' کے زخم ابھی تک اپنے دل میں لیے بیٹھے ہیں۔ ہمارے بارے میں کچھ اسی طرح کا تاثر ایم کیو ایم اور اس کے قائد الطاف حسین کے متعلق پھیلایا گیا اور آج کل ہم اسلامی فرنٹ اور اس کے سربراہ قاضی حسین احمد صاحب سے پہنچنے والے ''ذاتی صدمات'' یا ان سے ذاتی اختلافات اور نواز شریف صاحب سے حاصل شدہ کچھ ''ذاتی مفادات'' کے حوالے سے نشانہ تنقید بنے ہوئے ہیں۔ جبکہ امر واقعہ یہ ہے اور ہماری ربع صدی پر پھیلی ہوئی تحریروں کے سنجیدہ قارئین اس کے گواہ ہیں کہ ذات بھٹو کی ہو یا بے نظیر کی الطاف حسین کی ہو یا محترم قاضی حسین احمد کی ہم نے ان سب کی فکر، حکمت عملی اور طرز سیاست پر تنقید ان کے اثرات

ونتائج اور ملک وملت کے وسیع تر مفادات کے حوالے سے کی ہے۔ ہماری پوری کوشش یہ رہی ہے کہ اپنی ذات کے نقصانات یا مفادات کا کوئی ہلکا سا اثر بھی کبھی ہماری فکر اور تحریر پر نہ پڑنے پائے۔ ہاں کبھی میاں طفیل محمد کی داڑھی نوچنے کسی عالم دین یا نوجوان کو برہنہ کرنے، مساجد یا خواتین کی بے حرمتی ہونے، ڈاکٹر نذیر احمد، خواجہ رفیق یا مولوی شمس الدین، عبد الصمد اچکزئی، ظہور الحسن، بھوپالی اور چوہدری ظہور الٰہی جیسے لوگوں کو قتل کرنے، کسی کی کھال کھینچنے عقوبت خانوں میں تشدد کا نشانہ بنانے یا سانحہ سقوط ڈھاکہ اور سانحہ بہاولپور جیسے المناک واقعات رونما ہونے پر گہرے صدمہ اور رنج وغم کے جذبات کا اثر قلم پر ضرور آیا ہے لیکن ایسے تمام مواقع پر ہماری تحریر نے ''ذات'' کی نہیں قوم کی بھاری اکثریت کے اجتماعی احساسات کی ترجمانی کی ہے۔ ہم اللہ سے ہمیشہ اس کی پناہ مانگتے رہے ہیں کہ ہمارا قلم کبھی ذاتی مفادات یا نقصانات اور صدمات کے تابع ہو ہم اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ صبر اور شکر کے طلبگار رہے ہیں کہ یہ دولت کسی کو میسر ہو تو پھر وہ ہر طلب اور غرض سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔'' محمد صلاح الدین نے اس وضاحت کے بعد پیپلز پارٹی سے چند بنیادی اختلافات اور نئے عہد حکومت سے چند توقعات ظاہر کرتے ہوئے لکھا کہ ''پارٹی کو جمہوری ڈھانچہ کب دیا جائے گا؟ باہر جمہوریت پر اصرار پارٹی کے اندر جمہوری عمل کے داخلہ پر پابندی کا تضاد اب ختم کر دیا جائے۔'' کراچی منتقل ہو جانے کے بعد رفیق افغان کے پاس ٹویوٹا ہائی لکس ڈبل کیبن ماڈل ۹۲ء گرے کلر کی گاڑی تھی۔ یہ رفیق افغان کی اپنی ''ذاتی'' تھی یا جہاد افغانستان کے دوران کاموں کے سلسلے میں انہیں دی گئی تھی۔ بہر حال ۲۵ ستمبر ۹۳ء کی صبح سوا نو بجے

چار مسلح افراد ان کے ڈرائیور سے چھین کر فرار ہو گئے۔ رفیق افغان کے ڈرائیور ظفر مسعود کا بیان ہے کہ وہ ایک نجی کام کے سلسلے میں نارتھ ناظم آباد قلندریہ چوک نزد سخی حسن قبرستان گیا تھا وہاں پر چار مسلح افراد نے اسے گھیر لیا اور پستول دکھا کر گاڑی کی چابی چھین لی اور سخی حسن کی جانب فرار ہو گئے۔ بعد ازاں گاڑی چھیننے کی اطلاع تھانہ اجمیر نگری میں درج کرا دی گئی۔ مگر رفیق افغان کی ٹویوٹا ہائی لکس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ ''بعض ذرائع نے اس وقت یہ تبصرہ کیا کہ جن ''مہربانوں'' نے گاڑی دی تھی واپس لے لی، شرافت سے مانگی نہیں ملی مجبوراً یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔'' موبائل فون اور پجیرو رفیق افغان کی دلپسند چیزیں تھیں۔ رفیق افغان نے کئی مرتبہ محمد صلاح الدین کو بھی یہ آفر کی کہ وہ اپنے پاس موبائل رکھیں اور پجیرو میں گھومیں۔ لیکن انہوں نے یہ پیشکش ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہہ کر رد کر دی کہ یہ دونوں چیزیں ضرورت سے زیادہ شوق ہیں اور شوق بھی ڈاکوؤں اور وڈیروں کا۔ کیا کبھی رزق حلال کمانے والے کو پجیرو میں گھومتے دیکھا ہے۔'' معلوم نہیں کہ محمد صلاح الدین نے یہ تبصرہ کس تناظر میں کیا تھا۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہیں اپنی ذاتی زندگی میں سادگی اور قناعت سے خصوصی لگاؤ تھا۔ ڈیفنس کلفٹن سے ستمبر ۹۲ء کو شفٹ ہو کر جب محمد صلاح الدین نے اپنے ذاتی گھر پی ای سی ایچ کے دو منزلہ بنگلے میں قدم رکھا تو اس کے نئے چمچماتے ٹائلوں پر قدم رکھتے ہوئے انہوں نے اپنی اہلیہ قمر جہاں سے یہ شکوہ ضرور کیا کہ اس گھر کی تعمیر میں رفیق نے سادگی کے بجائے لگژری انداز تعمیر اپنایا ہے۔

نئے گھر میں شفٹ ہوتے ہی دسمبر کے مہینے میں محمد صلاح الدین Herpez نامی بیماری کا شکار ہو گئے اور ۲۸ تا ۳۱ دسمبر ۹۲ء وہ

گھر پر ہی رہے شاید عملی زندگی میں آنے کے بعد یہ تین دن ان کی زندگی کے ایسے دن تھے جب وہ عملی طور پر باہر کی دنیا سے دور رہے۔ رفیق افغان اور سعدیہ انجم کے درمیان عطیہ اقبال زیدی کے مسئلے پر پیدا ہونے والا تناؤ بڑھتا جارہا تھا۔ رفیق افغان کی گھر اور بیوی سے دلچسپی میں واضح کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ رفیق اپنا زیادہ تر وقت دفتر یا گھر سے باہر کے کاموں کو دیتے۔ شعبہ ادارت سے وابستہ ملکہ افروز روہیلہ (راقم الحروف) کا سعدیہ انجم سے فون و ذاتی طور پر رابطہ ہونے کی بناء پر رفیق افغان نے ملکہ کو بھی دفتری امور میں ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعے تنگ کرنے اور ملکہ کی تحریروں کو قطع و برید کرنے یا مسترد کرنے کا انداز اپنایا ہوا تھا۔ رفیق افغان کو شبہ ہو گیا تھا کہ ملکہ دفتری امور دیگر معاملات کی خبریں سعدیہ انجم تک پہنچاتی ہے۔ ۹۳ء میں رفیق افغان اور عطیہ اقبال زیدی ان کے گھر والے سعدیہ انجم کے اس الزام کو ماننے سے قطعی انکاری تھے کہ رفیق افغان نے ان کے گھر سے یا عطیہ سے کوئی تعلق رکھا ہوا ہے۔ لیکن فروری ۹۷ء میں عطیہ اقبال کی بڑی بہن سمعیہ اقبال زیدی کا بیان ہے کہ ''صلاح الدین صاحب کے انتقال سے چھ مہینے پہلے کی بات ہے کہ رفیق افغان نے عطیہ کے لیے یہ کہہ کر رشتہ دیا کہ مجھے صلاح الدین صاحب نے اجازت دی ہے۔ ایک شخص (رفیق افغان) اپنے منہ سے یہ کہتا ہے کہ مجھے اپنی بیوی پسند نہیں ہے۔ اب اس کا تو کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔ اس شخص نے (رفیق افغان) ہم کو اس طرح آفر کی تھی کہ اگر ہمیں انجم (سعدیہ انجم) کا خیال نہ ہوتا تو یا ہمارے ابا جان (اقبال زیدی صاحب جماعت اسلامی کے رکن بھی تھے) انجم کو بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح نہ سمجھتے تو جو ہونا تھا وہ صرف ایک سیکنڈ کا کام

تھا۔انہوں نے ہمیں اس طرح آفریں دی ہوئی تھیں اور اس طرح سر پر سوار تھے کہ بس آپ کر دیں لیکن ابا جان کا یہ کہنا تھا کہ انجم خود اپنے منہ سے کہے کہ اجازت دی اور صلاح الدین صاحب خود آ کر رشتہ دیں تب تو یہ بات ہو سکتی ہے۔اگر ہم خود غرض ہوتے تو اس وقت بہت فائدہ اٹھا سکتے تھے۔لیکن ہم نے معاملے کو کلیر رکھا۔گھر پہ آ کر رفیق نے خود ابا جان سے یہ بات کی کہ صلاح الدین صاحب نے مجھ سے کہا کہ اگر تم دوسری شادی کرنا چاہتے ہو تمہاری خواہش ہے تو میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں۔اور میں چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں انجم کا معاملہ سیٹ ہو جائے۔ابا جان کہنے لگے کہ میں اس بات پر اعتبار نہیں کرتا۔وہ خود آ کر مجھ سے یہ الفاظ کہیں۔یعنی انہوں نے عطیہ کو بھی تو بیٹی بنایا ہوا ہے۔ابا جان نے یہ شرط رکھی تھی۔انجم یہ کہے میرے سامنے کہ میں نے رفیق کو دوسری شادی کی اجازت دی ہے۔تب میں کروں گا ورنہ نہیں کیونکہ ایک بیٹی کا گھر اجاڑ کر میں دوسری بیٹی کا گھر کیسے بسا سکتا ہوں۔ہمارے گھر میں ان کے (رفیق افغان) فون آنے پر بے تحاشہ جھگڑا ہوتا تھا وہ اس قدر فون کرتے تھے۔اس شخص نے ہمیں کس طرح بلیک میل کیا ہے پتہ نہیں اس شخص نے ہمیں سمجھا کیا تھا۔انہوں نے سمجھا تھا کہ کوئی نرم چارا ہے۔بہت آسانی سے ہضم کر لیں گے لیکن ہم نے اتنا فیر رہ کر معاملہ کیا اگر ہمیں انجم کا خیال نہ ہوتا تو یہ معاملہ ہو چکا ہوتا ہم تو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ نے بچایا اتنے فراڈی آدمی سے۔عطیہ کے ساتھ کیا صورتحال تھی ایک ڈوبتے ہوئے کو تنکے کا سہارا تو چاہئے ہوتا ہے۔یہ تک کہا کہ آپ عطیہ کا شناختی کارڈ دیں میں اس کے نام فلیٹ بک کراؤں گا میں اس کو گاڑی دوں گا۔جب ابا جان نے صلاح الدین صاحب سے بات کرنا

چاہی تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا کہ ابھی نہیں پہلے میں بات کروں گا۔ پھر وقت آنے پر بات کی جائے گی۔ اب تو ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ جب اس نے ایک باحیثیت شخص کی لڑکی کی ریڑھ پیٹ دی تو ہم تو کچھ بھی نہیں تھے۔ ہمارا تو اگر خدانخواستہ ان سے معاملہ ہو جاتا تو نجانے کیا حشر کرتے وہ کسی گیم کھیلنے کے چکر میں تھے۔ اللہ نے ہمیں بچالیا۔ صلاح الدین صاحب کے انتقال کے بعد اب ہمارا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امی عمرہ پر گئیں تو انجم کی گود بھرنے کے لیے خصوصی دعائیں مانگیں۔ حمزہ کی پیدائش کے وقت میں نے سعد یہ انجم سے کہا تھا کہ انجم یہ وقت ثابت کرے گا کہ ہم تمہارے دشمن نہیں دوست تھے تمہارا دشمن تو کوئی اور ہے۔'' (اس گفتگو کے باضابطہ شواہد وثبوت راقم الحروف کے پاس موجود ہیں)

جنوری ۹۴ء میں تکبیر کے چیف رپورٹر نعیم عارفی مرحوم کے داماد محمود احمد خان کے بیٹے بلال کو چند مجرم پیشہ افراد نے اغوا برائے تاوان کی نیت سے اغوا کر لیا۔ بچے کی بازیابی کے لیے محمد صلاح الدین کے اثر ورسوخ کی بناء پر کور کمانڈر کی ہدایات، سی پی ایل سی اور کرنل فریدی کی کوششوں سے بلال کو ایک کامیاب آپریشن کے ذریعہ بازیاب کیا گیا۔ بلال احمد کا پانچ روز میں بازیاب ہو جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کی برآمدگی میں کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل نصیر اختر اور ایف آئی ٹی کے کرنل خورشید آفریدی اور ان کے ساتھیوں کا بڑا عمل دخل تھا۔ اس ایک واقعہ نے نہ صرف تکبیر کے اسٹاف بلکہ بچے کے والدین کے دلوں میں ایجنسیوں کی اس کارکردگی کی بناء پر نمایاں حمایت حاصل کر لی۔ کراچی میں آپریشن کلین اپ کے بعد جاری لاشوں کی سیاست میں نمایاں اضافہ ہونے لگا تھا۔ مئی

۹۴ء میں فوج کی واپسی کے اعلان کے ساتھ ہی نقاب پوش دہشت گرد میدان میں اتر آئے مئی کے مہینے میں آگ وخون کا کھیل کھیلا گیا۔ جس میں درجن سے زائد افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔ شہر کے حالات میں دن بہ دن بدامنی و دہشت گردی کا عنصر بڑھتا جارہا تھا۔ ۱۹ مئی ۹۴ء کے تجزیہ میں محمد صلاح الدین نے سندھ کا مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ کے عنوان سے کراچی کی اصل صورتحال اور سندھ میں فوجی آپریشن کے تجربے کی ناکامی پر لکھا ''سندھ میں فوجی آپریشن کا تجربہ بھی اسی لیے ناکام ہوا کہ اس نے شہری علاقوں میں ایم کیوایم کی گرفت وتسلط کو توڑ دیا لیکن وہ اس کی سیاسی حمایت کا خاتمہ نہ کرسکا۔ ایم کیوایم نے جن مسائل سے غذا پاکر توانائی حاصل کی۔ بلکہ جنم لیا ان کے حل کی جانب ذرا توجہ نہ دی گئی۔ چولہے پر چڑھی ہانڈی کا ابال روکنے کے لئے اس کے ڈھکنے پر تو پولیس کے بعد رینجرز اور رینجرز کے بعد فوج کا وزن رکھ دیا گیا لیکن اس کے نیچے جلنے والی لکڑیوں کو اپنی جگہ برقرار رکھا گیا۔ مسئلہ کا واحد حل طاقت کے استعمال کو سمجھا گیا اور طاقت ہی کی زبان میں بات کی گئی جن معاشی و معاشرتی مسائل نے سندھ کے شہری علاقوں کی نارمل سیاسی زندگی کا خاتمہ کرکے انہیں جذباتی ہیجان اور اشتعال واحتجاج سے معمور سیاسی قوتوں کی گود میں پہنچایا ہے۔ ''فوج اور حکومت کی سطح پر پانچ چھ سال میں بھی یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ الطاف حسین مجرم ہیں یا رہنما۔'' کراچی میں گزشتہ کئی برسوں سے جاری بدامنی کی وجہ سے سرمایہ کاری شہر سے ختم ہورہی تھی اور سرمایہ کار ملک کے بالائی حصوں یا مشرقی ممالک کا رخ کررہے تھے۔ لیکن ایسے میں امریکہ ہی اپنی رپورٹوں کے ذریعہ اس سمت اشارے کررہا تھا کہ کراچی

کی علیحدگی کی سازش زوروں پر ہیں اوران سازشوں میں ایم کیوایم بطور مہرہ اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ جون جولائی ۹۴ء میں لانڈھی کورنگی کا علاقہ مہاجروں کے دونوں گروپوں کی آپس کی چپقلش کی بناء پر میدان جنگ بنا رہا۔ اگست ۹۴ء کے مہینے میں کراچی میں دو درجن سے زائد افراد نامعلوم افراد کی بسوں پر فائرنگ سے ہلاک ہوئے۔ ۱۹۸۸ء کے بعد ہفت روزہ تکبیر نے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ حمید گل بریگیڈیر امتیاز اور پھر میجر عامر کی شخصیت سازی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۹۴ء سے حمید گل کے انٹرویوز اور پروجیکشن میں مزید کئی گناہ اضافہ ہوگیا۔ ۱۱ ستمبر سے نواز شریف کی تحریک نجات کا آغاز ہوا۔ بینظیر حکومت میں بریگیڈیر امتیاز اور میجر عامر کی گرفتاری کے بعد تکبیر نے جنرل حمید گل کو بینظیر کو ہٹ لسٹ پر رکھا یہی وجہ تھی کہ تکبیر میں حمید گل کی پروجیکشن مزید تیز کردی گئی۔ بینظیر بھٹو کے خلاف تکبیر کے مندرجات میں مزید تندوتیزی آتی گئی۔ ۲۶ اگست ۱۹۸۹ء میں پی آئی اے کے فوکر طیارہ کے لاپتہ ہونے والے سانحہ سے متعلق ستمبر ۱۹۹۴ء میں ایک رپورٹ شائع کی ''تکبیر ٹیم رپورٹ، پی آئی اے کے گمشدہ طیارے کا معمہ حل ہوگیا۔ گلگت سے پرواز کرنے والا مسافر بردار فوکر طیارہ بھارت نے مار گرایا تھا'' اس وقت کی وزیراعظم بینظیر بھٹو اس حادثے سے آگاہ تھیں۔ بینظیر بھٹو کے دور ثانی میں تکبیر ٹیم کی اس رپورٹ نے تکبیر کی سرکولیشن کو مزید چار چاند لگادیے۔ تکبیر کے وسائل میں دن رات اضافہ ہورہا تھا۔ محمد صلاح الدین کے تجزیاتی تحریروں اور تکبیر پر اعتماد کے سبب اس کی رپورٹوں نے تکبیر پڑھنے والے حلقہ میں واضح اضافہ کیا تھا۔ پریس کے لیے قرض حسنہ کی اپیل کے جواب میں بھی قارئین نے بھرپور حصہ لیا۔ یہی وجہ تھی کہ تکبیر نے بہت

جلد امت پرنٹنگ پریس کے لئے جگہ کرائے پر لے کر پریس کا افتتاح کر دیا۔ ادارہ مطبوعات تکبیر (ا،م،ت) کے اپنے پرنٹنگ پریس کے لیے جو جگہ کرائے پر لی گئی وہ رفیق افغان کے نام پر حاصل کی گئی۔ لیکن امت پریس کا اکاؤنٹ صرف محمد صلاح الدین اور ثروت جمال اصمعی کے دستخط سے آپریٹ کیا گیا۔ ''بعض ذرائع'' کا کہنا ہے محمد صلاح الدین کا یہ اقدام بھی رفیق افغان کو پسند نہ آیا۔ ۱۶ اکتوبر کی شام ساڑھے پانچ بجے امت پرنٹنگ پریس میں تقریب دعا کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر رفیق افغان اپنے رویے غصے و ناپسندیدگی کے رنگ کو نہ چھپا سکے جس کو شرکاء کی اکثریت نے محسوس کیا۔ ستمبر ۹۴ء سے کراچی میں ایم کیو ایم کے متحارب گروپوں کے حامیوں اور نامعلوم افراد کی فائرنگ، پولیس موبائل پر حملوں میں فائرنگ و تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں کراچی میں ایک دن میں فائرنگ و تشدد کے واقعات میں ۲۱ افراد ہلاک ہوئے۔ صرف دو مہینوں یعنی ستمبر اور اکتوبر ۹۴ء میں ۱۹۰ افراد صرف لسانی اور مذہبی بنیادوں پر قتل کیے گئے۔ قتل ہونے والوں کا تعلق یا تو ایم کیو ایم الطاف گروپ سے تھا یا پھر حقیقی سے جبکہ مذہبی بنیادوں پر قتل کیے گئے افراد سپاہ صحابہ اور تحریک جعفریہ کے سرگرم کارکن تھے۔ ان سیاسی و مذہبی وابستگیوں کے علاوہ بھی عام افراد اس تشدد و دہشت گردی کی بھینٹ چڑھے، یوں لگتا تھا جیسے کراچی مقتل بن گیا ہو۔ فائرنگ جنازے آگ اور خون شہر کا معمول بنا دیے گئے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ قتل و غارت گری ان علاقوں میں زیادہ ہوتی۔ جہاں گھر گھر اسلحہ کی تلاشی ہو چکی تھی۔ مہاجر علاقے ٹارگٹ پر رکھے گئے۔ مرنے والوں میں بھی مہاجروں کی تعداد زیادہ ہوتی۔

تکبیر پریس کے افتتاح کے موقع
پر محمد صلاح الدین اور مفتی رفیع عثمانی
☆ تکبیر پریس جسے بعد میں
اُمت پرنٹنگ پریس کا نام دیا گیا

۲۴ نومبر ۹۴ء نیپا میں نصر اللہ خان کے اعزاز میں تقریب سپاس

اکتوبر ۹۴ء میں محمد صلاح الدین اور رفیق افغان کے مابین اختلافات نے سنگین صورت اختیار کرلی۔ اکتوبر کے آخری ہفتے میں رفیق افغان لمبی رخصت پر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد محمد صلاح الدین نے تکبیر کے سارے انتظامی وادارتی معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ۵ اکتوبر ۹۴ء کو محمد صلاح الدین نے اپنی تحریر میں ایک سرکلر جاری کیا۔ جس میں ادارے کے مختلف شعبہ جات کے سربراہان کو یہ اطلاع دی گئی کہ ''مدیر منتظم رفیق افغان صاحب اپنے چند نجی کاموں اور بعض ادھورے تحریری مسودات کی تکمیل کے لیے ایک ہفتہ کی رخصت پر چلے گئے ہیں۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کی جملہ ذمہ داریاں محمود احمد خان صاحب سنبھالیں گے اور جناب ثروت جمال اصمعی ان کی رہنمائی اور مدد فرمائیں گے''۔ اس سرکلر کی اصل کاپی کا عکس ساتھ دیا جا رہا ہے۔

تکبیر کے شمارہ نمبر ۴۶ سے یعنی نومبر کے ابتدائی شمارے سے اندرون سندھ اور کراچی میں امریکیوں کی پُراسرار سرگرمیوں سے متعلق رپورٹیں شائع ہونا شروع ہوئیں ایک طرف کراچی میں آگ وخون کا کھیل جاری تھا تو دوسری جانب کراچی میں امریکی سرمایہ کاری اور امریکیوں کی آمد کی خبروں نے صورتحال کو اور بھی زیادہ پُراسرار بنا دیا تھا۔ تکبیر کا شمارہ نمبر ۴۷ بہت اہمیت کا حامل تھا۔ اس پرچے کے ٹائٹل پر ''آپریشن یلو اسٹارم ایشیا پر قبضے کا امریکی منصوبہ، پاکستان کے ساحل کو بیس کیمپ بنانے کی تیاریاں۔ گوادر کے قریب گنز کے مقام پر اسلحہ کی ذخیرہ گاہیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ لداخ میں ایرواچ پوسٹ قائم کردی گئی، امریکہ چین کو عالمی طاقت بننے سے پہلے دبوچ لینا چاہتا ہے۔'' اس اہم رپورٹ کے ساتھ ہی تکبیر نے اپنے اداریے میں امریکی نائب وزیر خارجہ رابن رافیل کے پاکستان

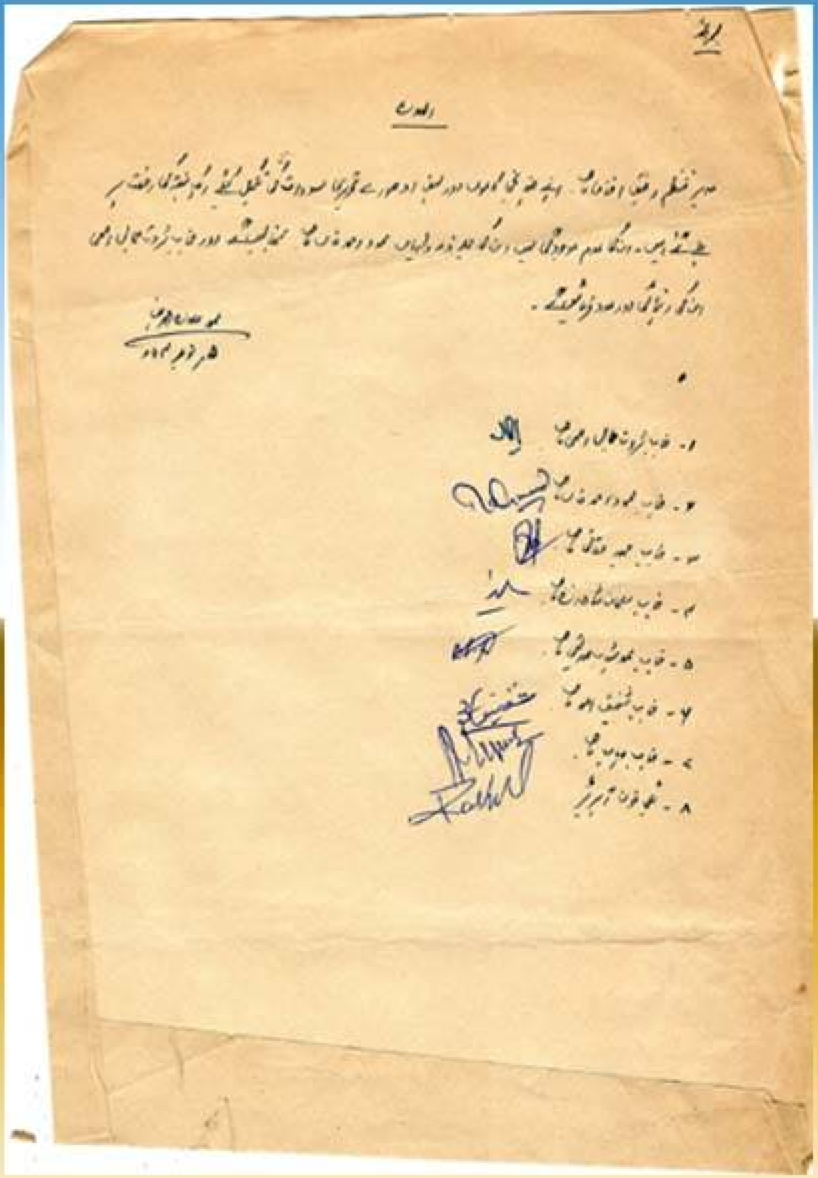

اصل سرکلر کی کاپی کا عکس

شہید محمد صلاح الدین

کے دستخط کے ساتھ

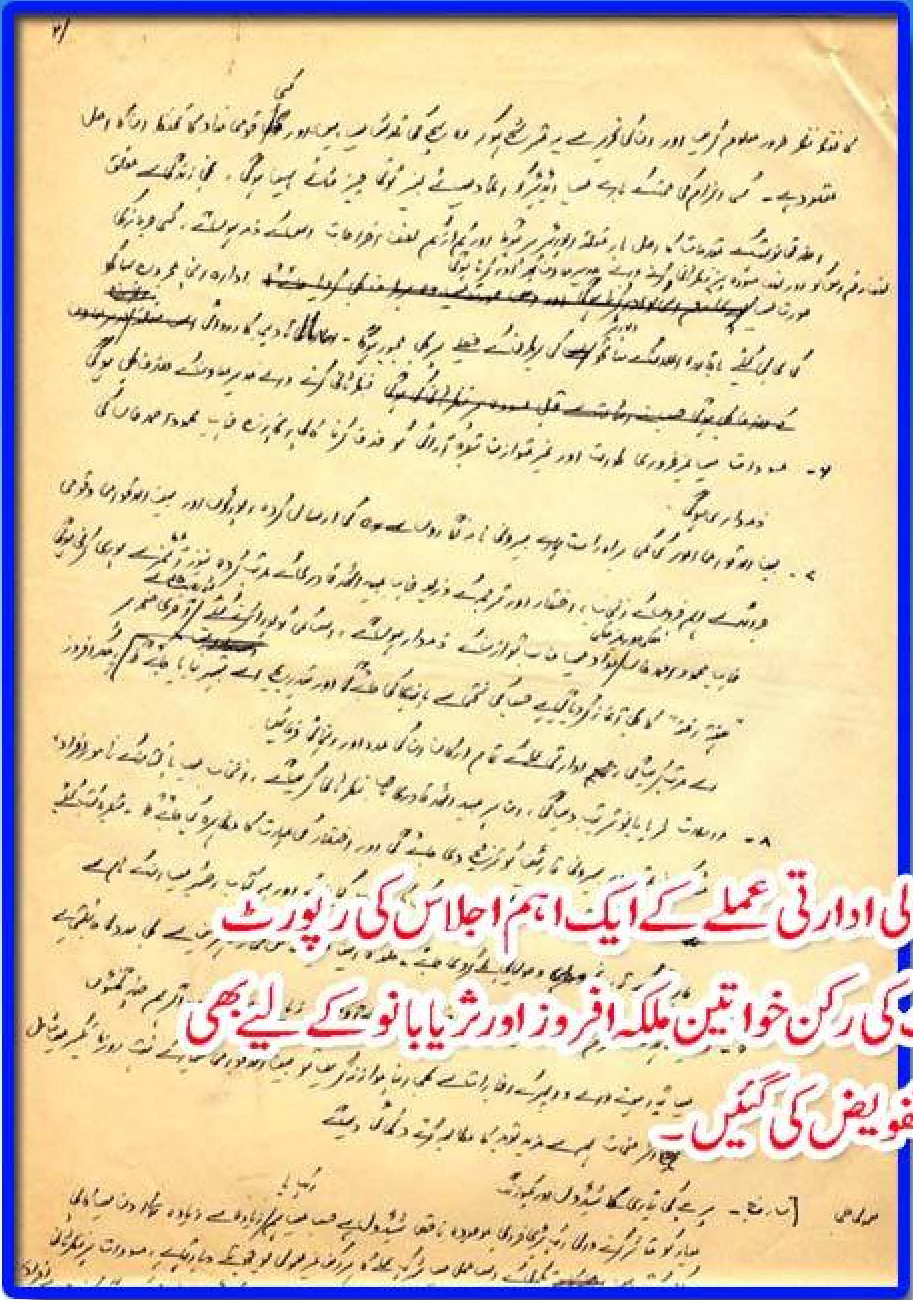

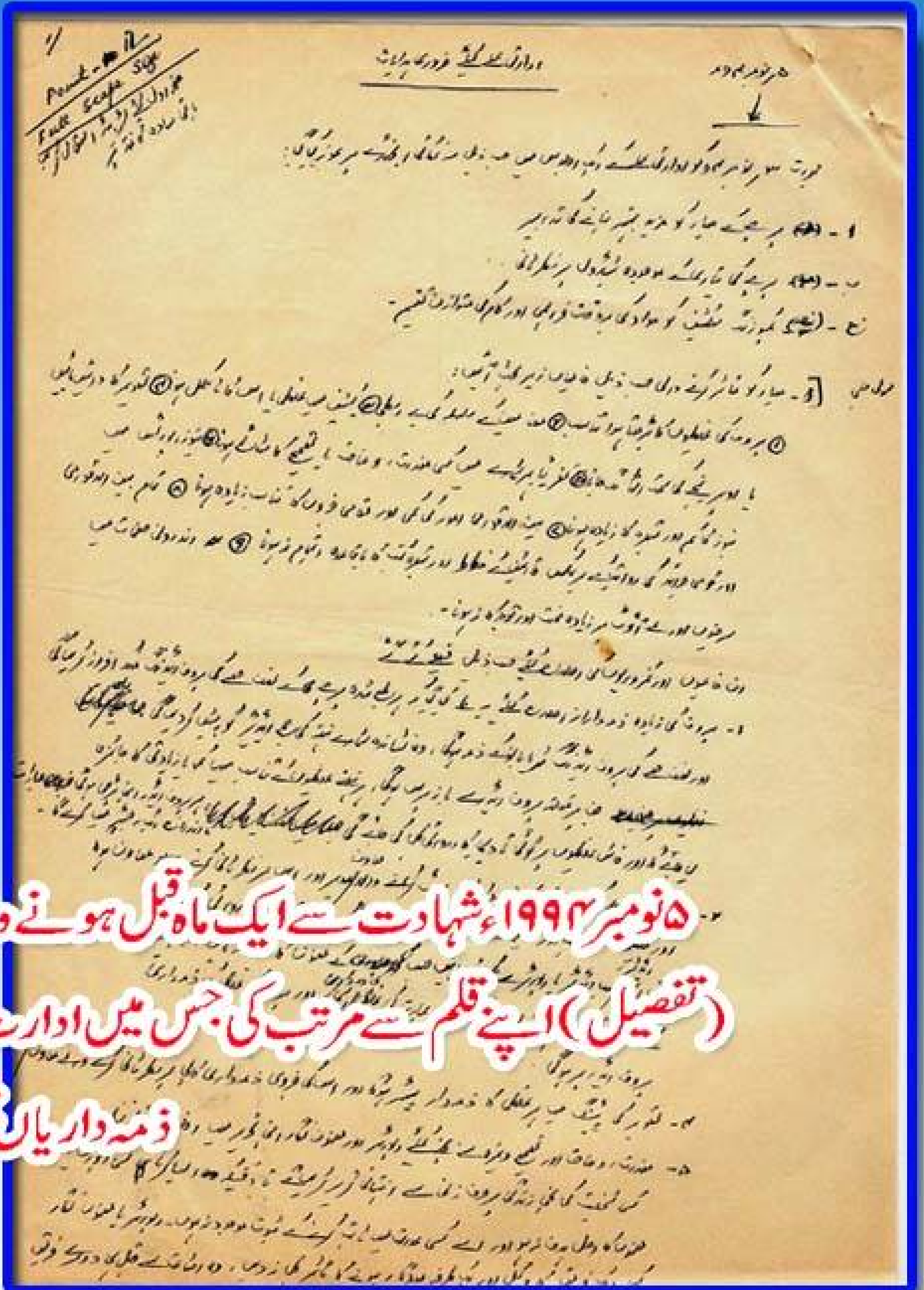

۵ نومبر ۱۹۹۴ء شہادت سے ایک ماہ قبل ہونے والی ادارتی عملے کے ایک اہم اجلاس کی رپورٹ (تفصیل) اپنے قلم سے مرتب کی جس میں ادارت کی رکن خواتین ملکہ افروز اور ثریا بانو کے لیے بھی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

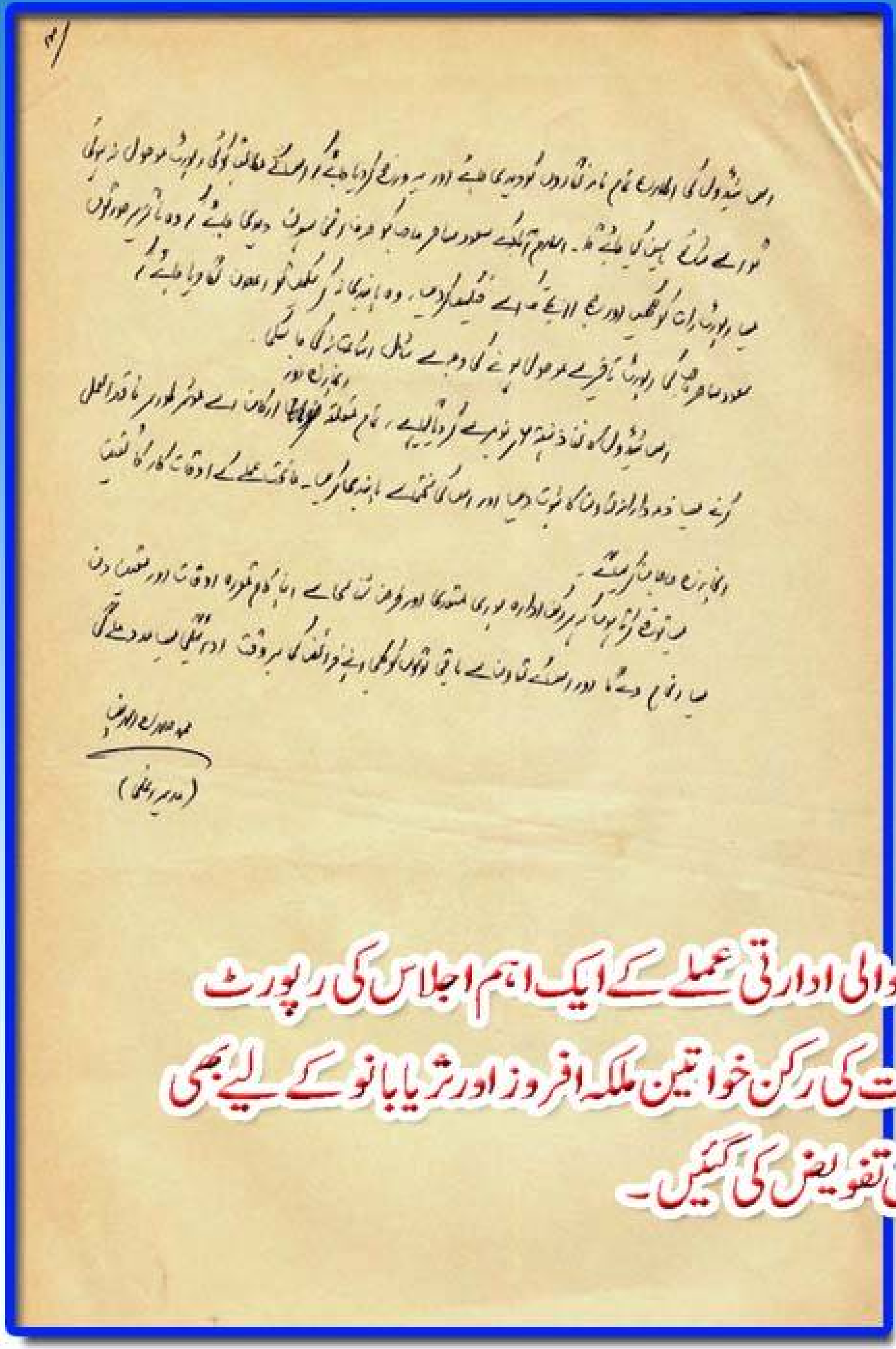

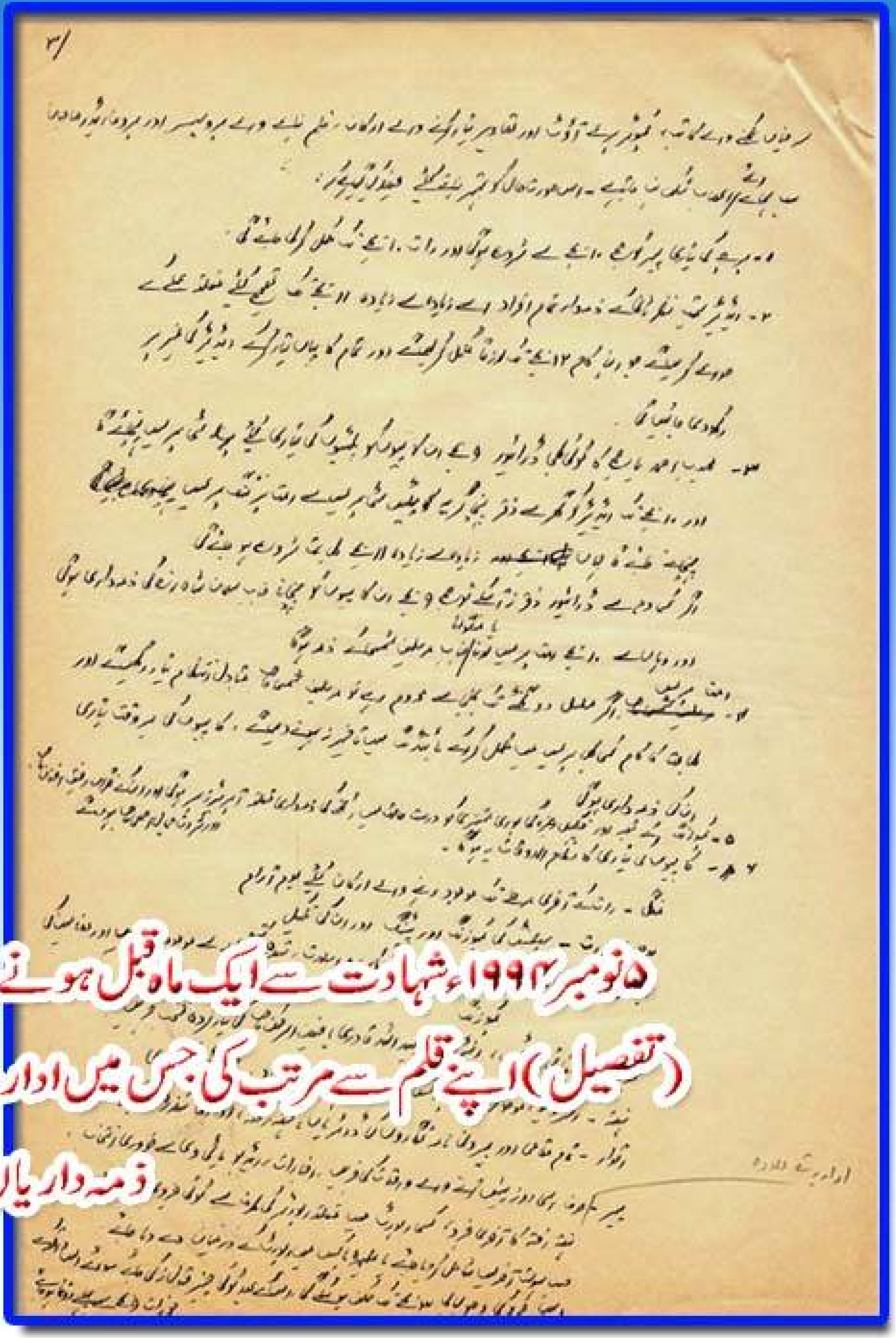

۵ نومبر ۱۹۹۲ء شہادت سے ایک ماہ قبل ہونے والی ادارتی عملے کے ایک اہم اجلاس کی رپورٹ (تفصیل) اپنے قلم سے مرتب کی جس میں ادارت کی رکن خواتین ملکہ افروز اور ثریا بانو کے لیے بھی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

کے چھ روزہ دورے میں سندھ کی صورتحال کا جائزہ، شہری سندھ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی شکایات کا جائزہ اور ایم کیو ایم، مسلم لیگ، پیپلز پارٹی سمیت کور کمانڈر سے ملاقاتیں'' پر تکبیر نے شدید گرفت کرتے ہوئے رابن رافیل کے دورے کو امریکی وائسرائے؟ کا نام دیتے ہوئے شدید مذمت کی، اداریئے میں لکھا۔

''ہم حکومت سے پوچھنا چاہیں گے کہ اگر پاکستان کے امریکہ سے دو مساوی الحیثیت خود مختار آزاد ملکوں سے دوطرفہ عمومی تعلقات ہیں تو کیا جواباً پاکستان کی طرف سے بھی وزارت خارجہ کے کسی سیکریٹری یا پارلیمانی کمیٹی برائے امور خارجہ کے سربراہ کو یہ معلوم کرنے کے لیے امریکہ بھجوایا جائے گا کہ امریکہ میں جرائم اور امن وامان کی کیا صورتحال ہے۔ چند برس بیشتر لاس انجلیز میں جو نسلی فسادات ہوئے تھے۔ اس کے بعد مختلف طبقات میں پائے جانے والے احساسات کیا ہیں۔ ان کے بنیادی حقوق اور محرومیوں کی کیفیت کیا ہے۔ خصوصاً امریکہ میں مسلمانوں کو حاصل حقوق اور تحفظات کی کیا کیفیت ہے امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کے روزگار کے مسائل کیا ہیں۔ ان کی اقتصادی حالت کیسی ہے۔ امریکہ کی صنعت وتجارت اور کاروبار میں پاکستانی کارکنوں کی شرکت کی وجہ سے امریکہ میں پاکستان کے ٹھوس مفادات موجود ہیں۔ جن کی نگہداشت کا پاکستان کو ویسا ہی حق ہونا چاہیے جیسا کہ امریکہ دنیا کے مختلف ملکوں میں امریکی مفادات کے تحفظ کے حوالے سے اپنے لیے طلب کرتا ہے۔ اگر ان معاملات پر دونوں ملکوں میں باہم آزادانہ مواخذہ ہوسکتا ہے اور اس مواخذے کو کوئی ملک اپنی خود مختاری کی تضحیک نہیں سمجھتا تو پھر ایک دوسرے کے معاملات

میں ریاستی مداخلت کا مطلب کیا ہے؟ کیا امریکہ اپنے ملک میں ہمارے سرکاری یا غیر سرکاری وفود کو اپنی فوج کے کمانڈروں سے امریکہ کی داخلی، نسلی امن وامان کی پالیسیوں اور ان میں امریکی فوج کے کردار کے بارے میں آزادانہ تبادلہ خیال کی اجازت دے گا؟ اگر نہیں تو امریکی نائب وزیر خارجہ کو یہ لائسنس پاکستان میں کیوں دیا جارہا ہے؟ امریکیوں کے خلاف غم وغصہ کا یہ تحریری لب ولہجہ تکبیر ۹۴ء کے آخری چند شماروں کا خصوصی موضوع رہا۔ شمارہ نمبر ۴۷ میں ہی تکبیر کے رپورٹر رفعت سعید کی ''رابن رافیل کی ایم کیو ایم کے ڈاکٹر عمران فاروق سے خفیہ ملاقات کی اسٹوری لگائی گئی۔ جس میں بتایا گیا کہ میری ورجینا کینڈی کی رہائش گاہ پر رابن رافیل سے ملاقات کے لیے عمران فاروق کو ایک امریکی سفارت کار اپنی گاڑی میں لائے۔ پاکستان کے ایک اعلیٰ حساس ادارے کے اہلکار نے اس رابن رافیل کو کراچی میں ہونے والی بدامنی کے واقعات کے بارے میں مفصل بریفنگ دی۔ اسی شمارے میں محمد صلاح الدین نے اپنے تجزیے میں پاک افواج پر براہ راست تنقید وگرفت کرتے ہوئے لکھا کہ'' کیا ہماری فوج دوست اور دشمن کی تمیز کھو بیٹھی ہے؟ ایمان، تقویٰ اور جہاد کے موٹو والی فوج نفاذ شریعت کا مطالبہ کرنے والوں سے کیوں نبرد آزما ہے؟'' کیا اس سوال سے ہماری نظریاتی فوج بالکل ہی بے نیاز ہوگئی ہے؟ مشہور مقولہ ہے کہ'' جو قوم ماضی سے سبق حاصل نہیں کرتی اس کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اب جو فوج ماضی کے مسلسل تجربات کے باوجود دوست اور دشمن کی تمیز کا شعور ہی کھو بیٹھے ہم اس کے مستقبل پر اظہار تشویش کیے بغیر نہیں رہ سکے۔'' پاک افواج سے متعلق ۹۴ء کے شمارہ نمبر ۲۹ میں بھی انہوں نے شدید نکتہ چینی کی تھی۔ اور پہلی مرتبہ فوج سے

متعلق سچائی کو اپنے قلم کی زینت بناتے ہوئے لکھا تھا۔ ''پاکستان میں وزیر خارجہ وزیر دفاع اور وزیر داخلہ اور ان وزارتوں کے سیکریٹریوں کا تقرر بالعموم امریکہ کے اشارے یا اس کی خصوصی منظوری سے ہوتا ہے۔ ایسے منتخب افراد کا گروہ کبھی فارغ نہیں رہتا۔ انہیں وزیر، مشیر، وزیر یا خصوصی معاون بنا کر اقتدار کی راہداریوں میں ہی برسرِ عمل رکھا جاتا ہے۔ معاشی، سیاسی امور کے علاوہ دفاعی معاملات کی طرف دیکھئے تو وہاں سیاچین کی بلندیوں سے لے کر سمندر میں کھڑے ہوتے بحریہ کے جہازوں تک اور ملک میں بری فضائی اور بحری افواج کے تمام اہم مراکز اور حساس تنصیبات پر جنرل ہوور صاحب بار بار دندناتے پھرتے رہتے ہیں اور مسلح افواج کے ہیڈ کوارٹر میں ہماری اعلیٰ ترین عسکری قیادت کے اجلاس کی صدارت کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر ہمارے عہدیدار جس طرح امریکہ میں آمدورفت کی لین ڈوری لگائے رکھتے ہیں۔ اس سے بھی ہمیں خوئے غلامی کی بو آتی ہے اور جب یہ خبریں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں کہ ہماری بری فوج میں بریگیڈیر اور فضائیہ و بحریہ میں اس کے ہم مرتبہ رینک سے اوپر ترقی کے لیے زیرِ غور افسروں پر امریکہ سفارتخانہ بھی نظر رکھتا ہے اور مختلف ذرائع سے ان ترقیوں اور پوسٹوں پر اثر انداز ہوتا ہے تو آزادی اور خودمختاری کا رہا سہا احساس بھی بری طرح مجروح ہو جاتا ہے۔'' ان ہی دنوں جب کراچی میں کشتِ خون جاری تھا رابن رافیل کی آمد، عمران فاروق سے خفیہ ملاقات کے ساتھ رابن رافیل نے امریکی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سربراہوں سے بھی تفصیلی تبادلۂ خیال کیا۔ اس ملاقات کو انتہائی خفیہ رکھا گیا اور امریکی کمپنیوں کے پاکستانی شہرت رکھنے والے انتہائی اعلیٰ عہدے داروں میں سے بھی صرف اکا دکا کو ہی اس ملاقات

کے بارے میں علم ہو سکا۔ ۹۴ء تکبیر کا شمارہ نمبر ۴۸ جو محمد صلاح الدین کی زندگی میں چھپنے والا آخری شمارہ ثابت ہوا۔ اس پرچے میں اپنے تجزیے میں ''کراچی میں لاشوں کی سیاست کے عنوان سے انہوں نے لکھا۔ ''اس شہر نے پورے ملک کو پالا۔ اسے جان بوجھ کر پامال کیا جارہا ہے۔ مجرموں کے زیر نقاب چہروں کے سوا وہ کون سی حقیقت ہے۔ جو بے نقاب نہ ہو چکی ہو۔ اور ان چہروں کی نقاب بھی متعلقہ حکام کے سامنے اتری ہوئی ہے۔ اتاری جا چکی ہے۔ صرف گلی کوچوں میں قتل ہونے لٹنے، ڈکیتی کا نشانہ بننے اور زندگی بھر کی جمع پونجی سے محروم ہو جانے والے عام شہری ہی ان سے بے خبر ہیں اور سچ پوچھیے تو وہ بھی ایک ایک کو جانتے پہچانتے ہیں۔ ان کی واضح شناخت رکھتے ہیں۔ بس وہ ان خفیہ محافظ ہاتھوں سے ناواقف ہیں۔ جن کی زیر سرپرستی یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اور یہ شہر شہرِ آشوب بن کر رہ گیا ہے''۔ محمد صلاح الدین نے اپنے اس تجزیے میں پھر اس رپورٹ کا حوالہ دیا جس میں عمران فاروق کی امریکن قونصل خانے میں زیر حفاظت پناہ کا ذکر تھا۔ اس خبر کی اشاعت کے بعد کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل لہراسپ خان نے محمد صلاح الدین سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ نومبر ۹۴ء میں محمد صلاح الدین کی کسی اعلیٰ حساس ادارے کے اعلیٰ افسر سے یہ آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ محمد صلاح الدین ہیڈ کوارٹر گئے اور ڈیڑھ دو گھنٹے تک ملاقات رہی۔ ملاقات میں کور کمانڈر نے اتنی اہم خبر سے اپنی لاعلمی کا اعتراف کیا اور تشویش کا تبادلہ بھی کیا۔ یہ سوال بھی ہوا کہ آپ کے خیال میں ان امریکیوں کا کیا حل ہونا چاہئے؟ ''جناب ان کے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہئے جو صومالیہ میں ان کے ساتھ کیا گیا امریکیوں کا قتل عام، انہیں مارا جائے۔ یہی ان

کا علاج ہے''۔ یہ محمد صلاح الدین کے دکھے ہوئے دل کی صدا تھی وہ کراچی کے حالات اور مہاجروں کے جانی و معاشی قتل عام سے بہت رنجیدہ تھے۔ وہ کچھ عرصہ سے سنجیدگی سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ محض تحریری محاذ پر کراچی کے لیے آواز بلند کرنے سے کچھ نہیں ہوا۔ اور نہ ہوتا نظر آرہا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اب عملی طور پر کراچی کے حالات کو بہتر بنانے اور مہاجروں کے جانی و معاشی قتل عام کو روکنے کے لیے مثبت سوچ و فکر رکھنے والے اصحاب الرائے۔ محبِ وطن دانشور، صحافی، ڈاکٹر، علماء، استاد و دیگر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق معروف افراد و شخصیات کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور عملی جدوجہد کے لیے الاتحاد کے نام سے تنظیم کے قیام کا پیپر ورک تقریباً مکمل کر لیا تھا اور اس تنظیم الاتحاد کا پہلا اجتماع ۲۵ دسمبر ۹۴ء کو الحمراء میں ہونا تھا۔ اس تنظیم میں حکیم محمد سعید اور ان کی شورائے پاکستان کو نمایاں مقام حاصل تھا۔

(الاتحاد سے متعلق محمد صلاح الدین کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے مسودات کا عکس منسلک ہے)۔

۴ دسمبر ۹۴ء کی صبح کا آغاز کراچی میں میر خلیل الرحمٰن میموریل سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ امن ریلی سے ہو رہا تھا۔ پورے ملک سے چیدہ چیدہ دانشور، ادیب، فنکار کھلاڑی صحافی اور دیگر معروف شخصیات کے ڈی اے آفیسرز کلب میں جمع ہو رہے تھے۔ جبکہ پورے شہر سے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد بچے، بڑے بوڑھے مرد عورتیں طالب علم استاد غرض ہر فرد امن ریلی میں شرکت کے لیے قائداعظم کے مزار تلے وسیع عریض میدان میں پہنچ رہے تھے۔ ۴ دسمبر کی صبح محمد صلاح الدین کی اہلیہ ڈاکٹر قمر جہاں نے تکبیر کے

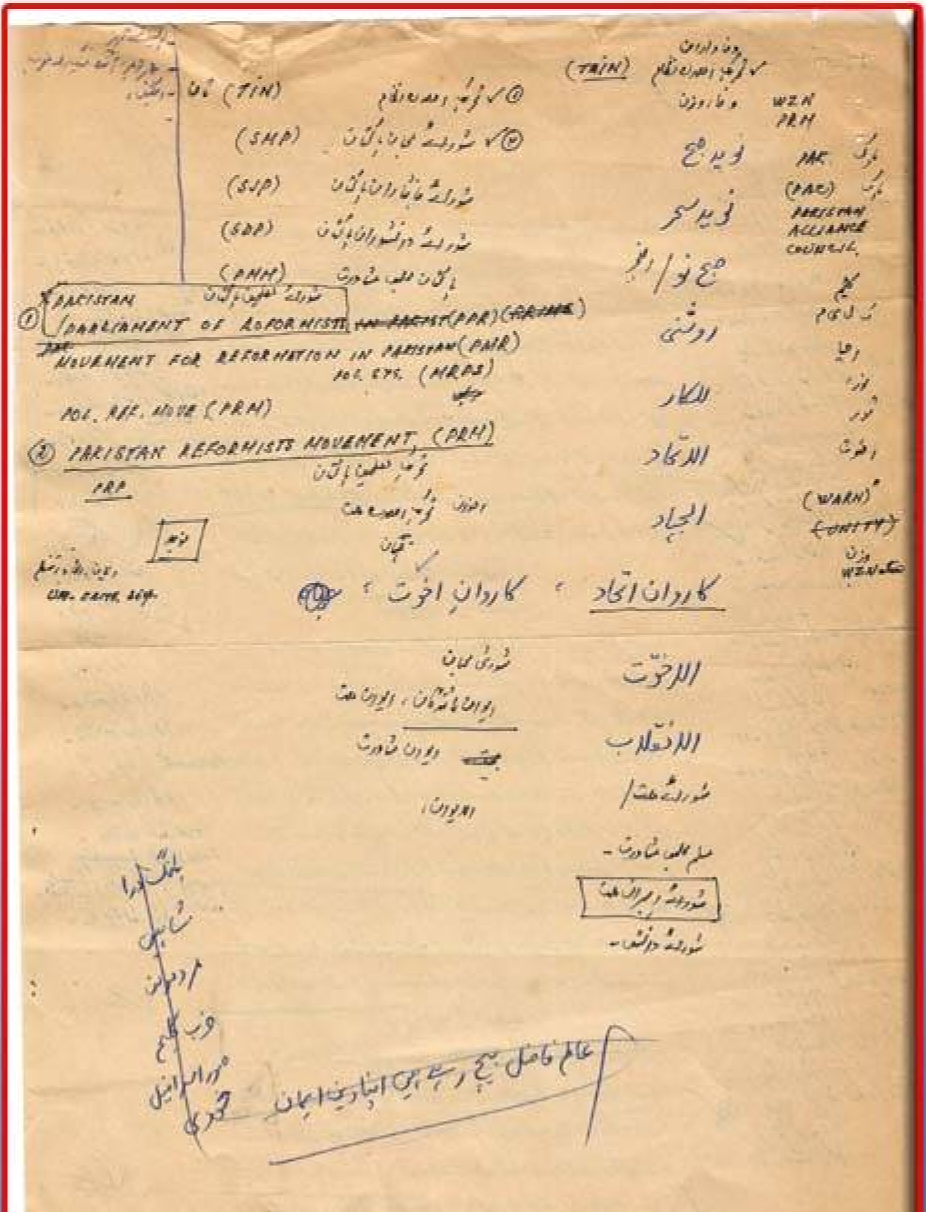
(TMIN) وفاق الامت / نظام

(TIN) تحریک اصلاح نظام

WZN
PRM

(SMP) شوریٰ محب پاکستان

نوید صبح

PAC

(SJP) شوریٰ جانثاران پاکستان

(PAC)

نوید سحر

PAKISTAN
ALLIANCE
COUNCIL

(SDP) شوریٰ دانشوران پاکستان

(PMM) پاکستان ملت مشاورت

صبح نو / فجر

PAKISTAN
(PARLIAMENT OF REFORMISTS ~~...~~ (PAR) ~~(...)~~

روشنی

MOVEMENT FOR REFORMATION IN PAKISTAN (PMR)
POL. SYS. (MRPS)

POL. REF. MOVE (PRM)

الافکار

② PAKISTAN REFORMISTS MOVEMENT, (PRM)

الاتحاد

PRP

الجہاد

(WARN)
~~(UNITY)~~

WZN

UM. CANT. DEF.

کاروانِ اخوت ، کاروانِ اتحاد

الاخوت

الانقلاب

شوریٰ عمل

شوریٰ دانش

عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان

تنظیم الاتحاد کی منصوبہ بندی (تنظیم سازی)

محمد صلاح الدین (شہید)

کے قلم سے

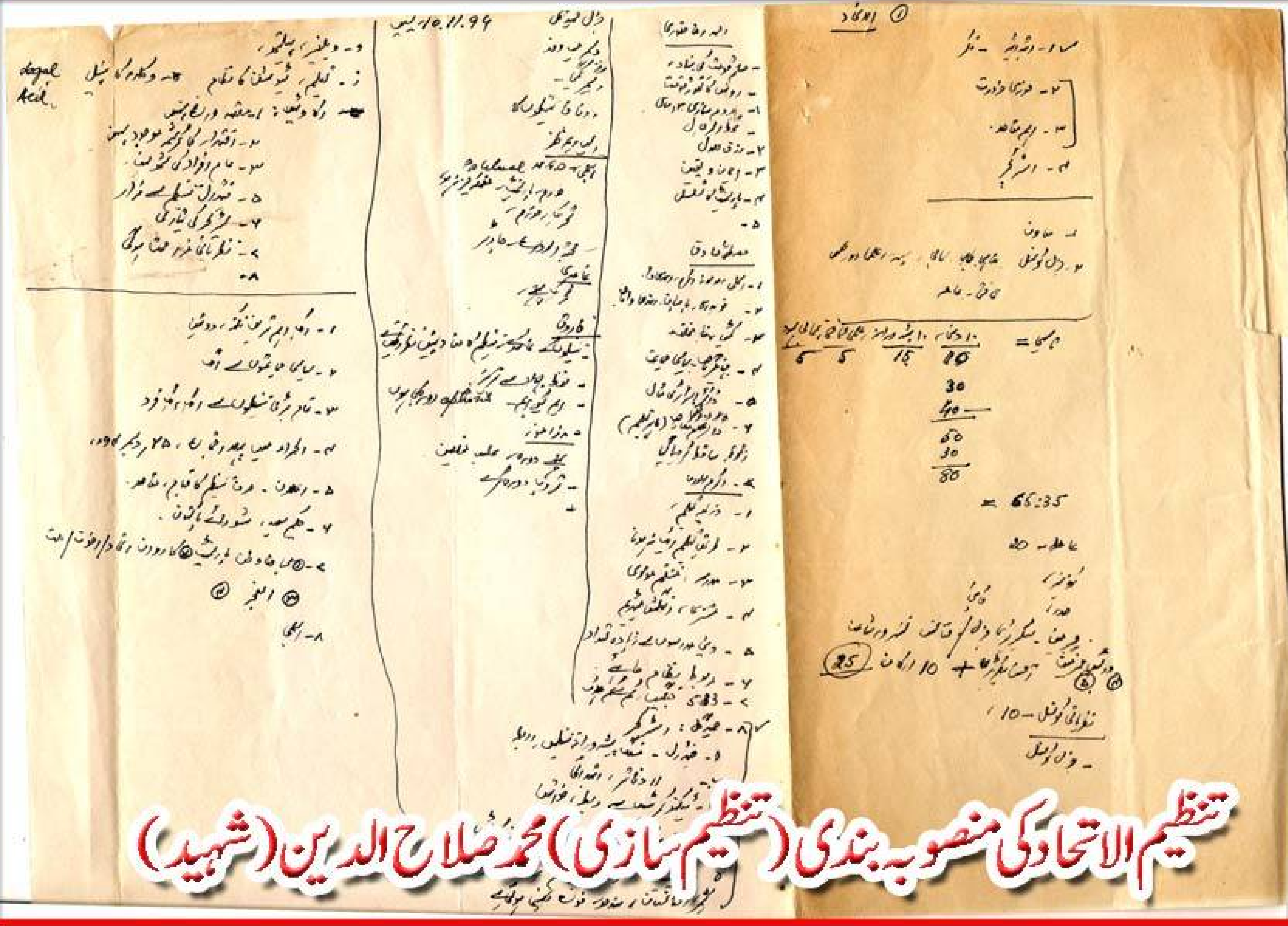

تنظیم الاتحاد کی منصوبہ بندی (تنظیم سازی) محمد صلاح الدین (شہید)

محمد صلاح الدین شہید اور حکیم محمد سعید شہید ایک تقریب میں

شعبہ ادارت کی ایک رکن ملکہ افروز روہیلہ کے فون کے جواب میں بتایا کہ ”آپ کے انکل تو صبح جلدی ریلی میں شرکت کے لیے چلے جائیں گے کیونکہ انہیں وہاں سے مسلم لیگ کنوینشن میں بھی جانا ہے۔ (جو مقامی ہوٹل میں گیارہ بجے شروع ہونے والا تھا) آپ ہمارے گھر آجائیں میرے ساتھ ریلی میں چلیے گا۔ وہاں سے دفتر چلی جایئے گا“۔ ڈاکٹر قمر جہاں کی خواہش پر ملکہ افروز روہیلہ صبح محمد صلاح الدین کے گھر چلی گئی۔ محمد صلاح الدین نے آفیسرز کلب پہنچ کر گاڑی گھر پر خواتین کو لینے کے لیے بھیج دی۔ ڈرائیور محبوب کو اس تقریر کی کئی فوٹو کاپی بھی بنوانا تھی جو اسی دن دوپہر میں محمد صلاح الدین نے کنونشن میں پڑھنا تھی۔ جس کے متعلق بیگم صلاح الدین نے ملکہ کو بتایا کہ ”بہت مصروفیت اور تھکن کے باوجود آپ کے انکل نے رات جاگ کر صبح فجر تک یہ تقریر لکھی ہے۔“ جب بیگم صلاح الدین، ملکہ افروز روہیلہ اور پڑوس کی چند خواتین گاڑی سے امن ریلی میں گئیں تو چند منٹ چل کر گاڑی خراب ہوگئی۔ یہ لوگ مقررہ جگہ سے پہلے ہی اتر گئے۔ امن ریلی کے فلوٹس پر اپنے ہم پیشہ ساتھیوں مجیب الرحمٰن شامی، الطاف حسین قریشی کے ہمراہ محمد صلاح الدین نظر نہیں آئے کیونکہ وہ کنونشن میں جانے کے لیے چند منٹ فلوٹس پر بیٹھ کر اتر گئے تھے۔ یہیں آفیسرز کلب میں اور فلوٹس پر محمد صلاح الدین کی ممتاز سماجی کارکن عبدالستار ایدھی سے تفصیلی ملاقات و بات چیت رہی۔ عبدالستار ایدھی نے محمد صلاح الدین سے کراچی کے حالات کے حوالے سے کچھ ایسے انکشافات کیے کہ وہ لمحے بھر کو حیران رہ گئے۔ محمد صلاح الدین نے ان واقعات یا انکشافات کو شائع کرنے کا وعدہ کیا اور عبدالستار ایدھی سے ملاقات کے لیے انہیں ۵ دسمبر

کی صبح کو انٹرویو کے لیے وقت دیا۔ (ان حقائق کی تصدیق ماہنامہ ساحل جنوری ۹۵ء کے شمارے میں اداریے میں لکھے گئے اس پیرا

گراف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا گیا ''اپنی صحافت اور سیاست کی بے شمار غلطیوں کے باوجود بحیثیت آجر اور انسان وہ حیرت

ناک خوبیوں کے مالک تھے۔ افسوس کہ ان کی جابرانہ صحافت نے ہمیں ایک قیمتی انسان سے محروم کر دیا ان کی موت پر ایک ممتاز

صحافی کا تبصرہ ان کی شخصیت کا مکمل محاکمہ کرتا ہے' صلاح الدین اپنی تحریروں کی وجہ سے گرفتار ہوئے نہ اب اپنے لکھے پر مارے

گئے۔ انہیں استعمال کرنے والوں نے بھانپ لیا تھا کہ اب وہ جان گئے ہیں کہ انہیں استعمال کیا گیا ہے۔ آخری تین تجزیوں میں ان

کا قلم رفتہ رفتہ اپنے تاریخی حلیف کی مذمت میں چل رہا تھا۔ ستار ایدھی نے ۳ دسمبر کو جنگ امن ریلی میں انہیں ان کے دیرینہ حلیف

سے متعلق چونکا دینے والے واقعات بتائے جنھیں وہ شائع کرنے کا وعدہ کر چکے تھے اور ۵ دسمبر کو صبح کا وقت انٹرویو کے لیے طے کر لیا

گیا تھا مگر وہ اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیے گئے۔ ستار ایدھی نے موت کی خبر سنی ایمبولینس بھیجی مگر خود تعزیت کرنے کے بجائے ایر

پورٹ چلے گئے۔'') امن ریلی کے اختتام پر بیگم صلاح الدین کو دفتر کی گاڑی و ڈرائیور تو نظر آیا لیکن محمد صلاح الدین دکھائی نہ دیئے تو

ان کے پوچھنے پر ڈرائیور نے بتایا کہ گاڑی خراب ہونے کی بناء پر وہ وقت پر مقررہ جگہ پر نہ پہنچ سکا۔ صاحب کو ہوٹل پہنچنا تھا اور ہوٹل

میں جو پیپر پڑھنا تھے وہ ہنوز ڈرائیور کے پاس تھے۔ بیگم صلاح الدین نے ملکہ سے کہا کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ پہلے ہوٹل جا کر یہ پیپر

وہاں دے دیں پھر دفتر چلی جائیں۔ کنونشن گیارہ بجے شروع ہونا تھا اور اس وقت ایک بج رہا تھا۔ ملکہ جب دفتر کی گاڑی میں ہوٹل

پہنچی تو ہوٹل کے باہر ہی لابی میں تکبیر کے سینئر رپورٹر ناصر محمود نظر آ گئے جو محمد صلاح الدین کی ہدایت پر ہی ڈرائیور کا انتظار کر رہے تھے۔ کانفرنس شروع ہونے کا وقت گیارہ بجے دن تھا۔ لیکن کانفرنس بارہ بجے شروع ہوئی۔ کراچی بچاؤ امن ریلی سے، کراچی میں قیام امن کے لئے حزب اختلاف کی پارلیمانی کانفرنس میں شریک ہونے والا صحافی آنے والے چوبیس سے اڑتالیس گھنٹوں کے دوران قتل کر دیا جائے گا۔ اس سانحہ سے ہر فرد بے خبر تھا۔ کنونشن میں جب محمد صلاح الدین ڈائس پر اپنی زندگی کی آخری تقریر کرنے آئے تو جلسہ گاہ میں موجود تمام شرکاء نے کھڑے ہو کر کافی دیر تک تالیاں بجائیں۔ شاید قدرت غیر محسوس طریقہ سے اہل کراچی اور ملک بھر سے آئے ہوئے دیگر اکابرین سیاست وصحافت سے مرحوم کو خراج تحسین پیش کرا رہی تھی۔ محمد صلاح الدین نے اپنی آخری تقریر میں سندھ بالخصوص کراچی کے مسئلے کے حل کے لیے پندرہ نکاتی تجاویز پیش کیں۔ ۴ دسمبر ۹۴ء محمد صلاح الدین کی خواہش تھی کہ وہ اپنی اہلیہ اور لے پالک بچیوں کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کریں۔ وہ اسی سلسلے میں صبح گھر سے یہ کہہ کر نکلے تھے کہ آج انشاء اللہ کاغذات مکمل کر کے ویزہ کے لیے بھجوا دینگے۔ آج ان کی اکلوتی بیٹی سعدیہ انجم کا جنم دن تھا۔ وہ آج صبح سے اپنے ابا جان کے گھر آ گئی تھی۔ تقریباً پانچ بجے دفتر سے اٹھنے سے قبل سعدیہ انجم کی سہیلی ملکہ افروز روہیلہ کو خیال آیا کہ آج تو سعدیہ کی سالگرہ ہے۔ وہ مصروفیت کی وجہ سے یاد نہ رکھ سکی اور آج پہلی بار سعدیہ کو مبارکباد دینا بھول گئی۔ ملکہ افروز روہیلہ نے انٹرکام پر محمد صلاح الدین سے پوچھا ''انکل سعدیہ کہاں ہیں؟'' وہ گھر پر ہیں، کیوں؟ آج شام میں گھر چلنا ہے؟'' ''نہیں انکل''۔ ملکہ نے نفی میں جواب دیا،

اس لیے کہ وہ وقت کے کاغذ پر لکھی تحریر نہیں پڑھ سکتی تھی جس پر لکھا تھا کہ آج رات اسے ضرور ہی انکل کے گھر سعدیہ انجم کے ساتھ گزارنی ہے۔ ملکہ کو خیال آیا کہ سعدیہ انجم کے لیے پھولوں کا تحفہ انکل صلاح الدین کے ذریعہ بھجوا دے۔ ملکہ نے محمد صلاح الدین کی مصروفیت کے خیال سے بہت ڈرتے ہوئے انٹر کام پر کہا "انکل آپ ہمارا ایک کام کر دینگے؟" "ہاں بولو کیا کام ہے؟" آواز میں وہی ملائمت وشفقت جوان کی شخصیت کا حصہ تھی۔ "آج آپ دفتر سے گھر جاتے ہوئے پھولوں کا گلدستہ (بوکے) لے لیجیے گا"۔ "کیوں بھئی، کون بیمار ہے کیسے دینا ہے؟" لہجے میں ہلکی سی شوخی۔ "بیمار کوئی نہیں ہے انکل، آج سعدیہ کی سالگرہ ہے آپ ہماری طرف سے اسے دے دیجیے گا۔" "ٹھیک ہے"۔ جواب دیا گیا۔ ۷ بجکر ۱۵ منٹ پر محمد صلاح الدین اپنے کمرے سے اُٹھ کر رشید شاہد (آرٹ ڈیزائنر) کے پاس آئے، یہاں ایک نوجوان صحافی کو بیٹھا دیکھ کر بولے "آپ بھی تشریف رکھتے ہیں کیا حال ہیں"۔ "جی بس اللہ کا شکر ہے"۔ یہ کہہ کر صحافی نے مودبانہ انداز میں اپنی کرسی پیش کی۔ "نہیں آپ بیٹھیں میں تو بس جا رہا ہوں۔" محمد صلاح الدین نے جواب دیا۔ وہ آرٹ انچارج رشید شاہد کی طرف متوجہ ہوئے اور تکبیر کے ٹائٹل کی تیار شدہ ڈمی دیکھنے لگے۔ سرخی کا عنوان تھا "نواز شریف کی طرف سے حکومت کو تعاون اور الطاف حسین کو مذاکرات کی پیشکش"۔ محمد صلاح الدین سرخی کی طوالت کے باعث مطمئن نہ تھے اور چاہتے تھے کہ سرخی چھوٹی اور مزید جاذب نظر ہو۔ "سرخی طوالت کے باعث بہت گھٹ گئی ہے اور میگزین کے بجائے اخبار کی سرخی محسوس ہوتی ہے۔ میں آپ کو چند سرخیاں بولتا ہوں آپ لکھتے جایئے۔" پھر انہوں نے سرخی لکھوائی